ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور
نومبر 2023ء ۔ جمادی الاول 1445ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۝ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۝
اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝ ع

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 11 | نومبر 2023ء | جلد 31

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	10
5	مفہوم نبوت و رسالت	علامہ احمد سعید کاظمی	14
6	یہ قدم قدم قیامت، یہ سوادِ کوئے جاناں	پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	17
7	آمدِ رسول ﷺ اور حلیمہ سعدیہ	آصف بلال آصف	19
8	اقبال اور عشقِ رسول ﷺ	ڈاکٹر منظور حسین اختر	22
9	سنابلِ نور	سید ریاض حسین شاہ	26
10	ازدواجی زندگی میں میاں بیوی اور ان کے خاندان کا کردار	علامہ محمد ارشد	28
11	کمالِ علم و معرفت	محمد بن علوی المالکی الحسینی	31
12	امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	ماسٹر احسان الٰہی	34
13	جادۂ حق	محمد صدیق	36
14	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	39

مشیر ادارت
ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز
- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین
- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ
30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ
450/= روپے

بیرون ملک سالانہ
150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید، راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

نعت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خیال بن کر جمال ان کا خرد میں اترا تو نور اترا
جہانِ دل کے ہر ایک گوشے میں ان کو دیکھا تو نور اترا

میری حیاتِ عمل مسلسل اندھیر لمحوں میں ڈھل رہی تھی
پھر ایک دن ان کی رحمتوں کا ہوا اشارہ تو نور اترا

بشر کی رفعت کی ہیں سند وہ ، وہی ہیں برہان، مستند وہ
"ہیں نورپیکر بشر کی صورت" بنا عقیدہ تو نور اترا

شبِ مصائب کی ظلمتوں میں سجھائی دیتا نہیں تھا کچھ بھی
دل پریشاں نے اس گھڑی میں انہیں پکارا تو نور اترا

رہ محبت کے راہیوں نے سنا یہ فرمان ان کے دل میں
میں جس کا مولا ہوں اس کا لوگو علی ہے مولا تو نور اترا

حروف کلمے خطاب خطبے سبھی ہی بے نور بے اثر تھے
نبی کی سیرت کا ان میں جب بھی ہوا حوالہ تو نور اترا

درود پڑھتا ہے خود خدا بھی یہی ہے نکتہ کشائی اس میں
نبی کی صورت کا ذکر مفتی کسی نے چھیڑا تو نور اترا

مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چشمۂ زندگی ہے ذکرِ جمیل

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اس کا نزول انسانی ہدایت کے مرکز پر گھومتے ہوئے تاثراتی لہجے کے ساتھ اپنے معجزات عام کرتا ہے اور اس طرح چشم زدن میں آوارہ عقلیں پشیمانی کے زون میں داخل ہوجاتی ہیں اور دھیرے دھیرے دلوں کا ذوق بدنوں کی روحانی مسّرت بن کر ''الحق اور الخیر'' کی بیعت کر لیتا ہے۔

صاحب!

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ نفس فسق و فجور کی ظلمت میں خطرناک قسم کے جرائم سے آلودہ ہوتا ہے لیکن انسان کے لیے جمالیاتی اور روحانی ادراکات اللہ کی راہ میں اسے کامیاب سفر نصیب کر دیتے ہیں۔

قرآن مجید کی بانگ رحمت پر غور کیجیے:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ النور:37)

''اللہ کے مردانِ عظیم کو کوئی تجارت اور کوئی سودا اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا''۔

وہ لوگ جو حسن ازل کو کائنات کی کھلی کتاب میں ورق در ورق بے نقاب دیکھتے ہیں ان کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں، ان کی لحظے اور وقت حکمتوں سے مالا مال ہوجاتے ہیں۔ وہ نازک فکر کے عظیم لوگ عشق الٰہیہ میں ہمہ دم جلتے رہتے ہیں، ان کی زندگی میں جمود نہیں ہوتا، عشق کے معرکے ہوتے ہیں، شب و روز ان کے لیے سکون آفرینیوں کے راز اگلتے ہیں، وہ قلندر مزاج لوگ جب ساری کائنات کا گھونٹ بھر کر اسم اعظم اللہ کے ساتھ حق شکر ادا کرتے ہیں ان کے تن من دھن سے ذکر کے جلوے فیض بار ہونے لگ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی بامعنیٰ ہوجاتی ہے۔

صبحوں کا حسین ماحول ان کی پیشوائی کے لیے موجود ہوتا ہے۔شام کے ہنگامے انہیں بندگی کے پیغامات دیتے ہیں،ندیاں ان کے لیے یادِ محبوب کا رقص بن جاتی ہیں،طاہرانِ خوشنوا کے ملکوتی نغمے ان کے لیے فردوسِ گوش بن جاتے ہیں،آسمان ایسے دیوانوں کے لیے زمین ہوجاتا ہے اور فضائیں ان کے لیے کورنش بجالاتی ہیں۔سال کے سارے مہینے جیسے ربیع الاول بن جاتے ہیں۔وہ محرم کو محبوب کے نام پر جان فدا کرنے کا سبق سمجھتے ہیں۔صفر کو وہ عشق حقیقی کا بخار جانتے ہیں۔ربیع الاول کی بارہ تاریخ ان کے لیے بارہ اماموں کے پیشوا سے عشق سکھاتی ہے۔ربیع الثانی اولادوں کی استقامت کا میلہ ہوتا ہے،جمادی الاول زماں کے راز کھولتا ہے اور جمادی الثانی پر کارِ حق بن کر مکان کو دل آویزی دیتا ہے،رجب شہنشاہِ کائنات کی اصل کائنات سے ملاقات کا جشن اور فاطمیوں کے لیے بتول رضی اللہ عنہا وعلی رضی اللہ عنہ کے میل کا زمینی استعارہ بن کر سامنے آتا ہے جبکہ شعبان عاشقوں کو روشنی کا احساس دیتا ہے اور رمضان بھوک بن کر عقل اور عشق کو گلے ملنے کا حوصلہ دیتا ہے،شوال آتشکدے ٹھنڈے کرتا ہے اور ایک باپ بیٹے کو ذیقعد میں راہِ معنیٰ وندرت کا معلم بنا کر ''ذوالحج''کو تسلیم ورضا اور مجاز واستعارہ کے زم زم سے غسل دے کر''اذانِ حق'' کے لیے ذوقِ سعی بخشتا ہے۔

ایک موقع پر نوائے وقت میں اپنی من کہانی لکھنے والے ایک عاشق صادق نے قلم کو رقص بار ہونے کی رندگی دی اور کہا:

''جناب!یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں آج سے اربوں برس پہلے وجود میں آئی تھی لیکن باوجود اتنی عمر کے ہماری زمین اجرام سماوی کے مقابلے میں ابھی بچہ کی حیثیت رکھتی ہے اور نوع انسان کا وجود اس پر یوں سمجھیے جیسے وہ چند دقیقے پہلے پیدا ہوا ہے لیکن ایک ہستی ہیں جنہیں بسایا زمین پر لیکن ساری کائنات کو ان کی مٹھی میں بند کردیا''۔

جس سمت کو چاہے صفت سیلِ رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

(اقبال)

سامعین باتمکین!

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روحوں کو تسکین کا جلوہ بخشو،تلاوت قرآن سے حروف ومعنیٰ کا راز پاؤ اور یہ اگر گستاخی نہ ہو تو میں عرض کردوں۔اسمِ اعظم''اللہ اللہ'' کی کثرت سے دنیا کی بھاری بھرکم چٹانوں پر چوٹ مارتے رہو اور ذکر اللہ کی کامل اور اتم صورت اقامتِ صلوۃ یعنی نماز کا قیام جانو،نماز قائم کرنے میں جو روحانیت ہے وہ کسی اور عمل میں نہیں۔

نماز خالقِ کائنات کی بارگاہ میں حاضری ہے۔اس شخص کی بدقسمتی کا اندازہ خود لگالیجیے جسے بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور اذن حضوری ملا ہو لیکن وہ ایسے قسمت ساز لمحوں سے فیض یاب نہ ہورہا ہو۔کتنی مزیدار بات ہے نماز معراج کا تحفہ ہے اور معراج کی یادیں نماز میں قلبی واردات بن جاتی ہیں۔ایک مرتبہ اقبالؔ نے بڑی مزیدار بات کی کہ ولی اور نبی میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ولی حق تعالیٰ کے انوار وتجلیات سے اکیلے لطف اندوز ہوتا ہے جبکہ نبی لیتا بھی ہے اور دیتا بھی ہے۔

ہم کتنے قسمت والے ہیں کہ ہمیں اطاعت کا سبق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دیا گیا ہے، انہی لاہوتی کیفیات کو ایک مردِ مفکر نے یوں بیان کیا تھا:

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر فلک الافلاک رفت و باز آمد، اگر من رفتمے باز نیامدے"

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلک الافلاک پر گئے اور واپس آ گئے اگر میں گیا ہوتا تو کبھی واپس نہ آتا"۔

استاذ محترم شیخ القرآن عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ معراج کا واقعہ جب بیان فرماتے کیفیت خاص ہوتی۔

زبان ایسی فصاحت بھی جس پر اترائے
کلام ایسا سنے جو بھی اس کو رشک آئے

آپ فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی کمال تھا کہ آپ معراج پر گئے لیکن اس سے بڑا کمال یہ تھا کہ گئے اور پھر آ بھی گئے۔

میری جان سے بھی عزیز میرے شیخ محترم لالہ جی محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ معرفتِ باری کے حصول کے لیے اقامت صلوۃ سے بڑھ کر کوئی اور راستہ نہیں، اس لیے سالکین کو چاہیے کہ وہ نماز کی صورت میں اللہ کا ذکر کیا کریں۔ یہ ذکر جب تام ہو جائے تو شب و روز کی کوئی گھڑی ایسی نہیں بچتی جس میں طالب اور سالک کو اسم اعظم کا ذکر میسر نہ ہو جائے۔ اللہ کا ذکر ہی سالک کو بلندی بخشتا ہے۔

مولانا روم نے کیا خوبصورت لفظ موزوں کیے:

ہر گدا از ذکر شاہ سلطان بود

"گدا ذکر شاہ سے خودِ سلطان ہو جاتا ہے"۔

لیا ہے، لیجیے جب نام اس کا
بہت وسعت ہے میری داستاں میں

(حالی)

الفاظ کی گہرائی، مٹھاس، نوازش اور یقین آرائی ملاحظہ ہو کہ حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرنے والوں کے پاس ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرنے والوں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے والوں کو اصحاب عقل و شعور قرار دیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(سورہ آل عمران: 191)

"وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور دعا کرتے ہیں) اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا، بڑی قوت والی ہے تیری ذات سو ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ"۔

یاد رہے کہ دل کی تمام بیماریوں اور ظلمتوں کا علاج اللہ کے ذکر میں ہے اور یہی وظیفہ اور ورد دلوں کا زنگ دور کرتا ہے اور صاف دل ہی روحوں کے چراغ روشن کرتے ہیں اور اس روشنی میں محبوب و معبود کے نوری جلوے بے حجاب نظر آنے لگ جاتے ہیں۔

ذکر اذکار، عشق و عبادت اور شوق و ذوق کی یہ کیفیات ہیں کہ انسان دوئی اور ہرجائی ملامتوں سے آزادی پا کر صرف اور صرف اللہ ہی کی راہ میں غلطاں و مستاں سفر کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کیفیت کے دلداروں اور وفاداروں کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں اور شوق کی کیفیت انہیں موت سے بھی بے خوف کر دیتی ہے۔

حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے سوز و عشق بھرے اشعار ملاحظہ ہوں:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بریں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می رقصم
تپش چوں حالتے آرد بروئے شعلہ می غلطم
خلش چوں لذتے بخشد، بہ نوک خار می رقصم
منم عثمان ہارونیؔ کہ یار شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے، و من بر دار می رقصم

''ان کیفیات کو میں نذرِ قلم نہیں کر سکتا جب صحبت یار لب موت دیدار کی لذت سے ہم کنار کرے گی میری کیفیت رقص بار ہوگی اور مجھے اس ذوق اور عشق پر فخر ہے کہ بہ روئے دوست مستیٔ رقص نصیب ہوگی۔

میرے محبوب تو وہ حسن نوازی سے قتل کرنے والا ہے کہ تو نے صرف تماشا دیکھنے کے لیے میرا خون ہی نچوڑ لیا اور میں شہید عشق ہوں کہ خنجرِ تیز دھار کے نیچے بھی رقص کرنے والا ہوں اور عشق کی گرمی نے مجھے یہاں پہنچا دیا کہ میں آگ کے شعلوں میں کود پڑا اور راہ عشق میں آبلہ پائی کی خلش نے وہ لذت دی کہ میں کانٹوں کی نوک پر بھی بھنگڑے ڈالنے لگ گیا

میرا نام عثمانی ہارونی ہے مسلک میں، میں منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا یار ہوں اس لیے مجھے ملامت گروں کی ملامت سے کوئی فرق نہیں پڑتا میں سولی پر بھی رقص کرنے والا ہوں''۔

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ’’تبصرہ‘‘ کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 178 تا 182 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ
لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ
الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

’’اور کفر کرنے والے ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں ان کے لیے بہتر ہے، بے شک ہم تو انہیں ڈھیل اس لیے دیتے ہیں کہ گناہ میں وہ اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔ اللہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ الگ کر دے گندوں کو پاکیزہ لوگوں سے اور نہ ہی اللہ غیب پر تمہیں مطلع کرنے والا ہے البتہ اللہ اس کے لیے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس میں بخل کرنے والوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے نقصان دہ ہے، عنقریب قیامت کے دن وہ جس میں انہوں نے بخل کیا تھا ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو، بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اب ہم لکھ رکھتے ہیں جو بھی انہوں نے کہا اور ان کے نبیوں کو ناحق شہید کرنے کو بھی اور ہم حکم دیں گے چکھو جلا دینے والا عذاب، تمہارے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا یہ اس کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا‘‘۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا
نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

’’اور کفر کرنے والے ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں ڈھیل دیتے ہیں ان کے لیے بہتر ہے، بے شک ہم تو انہیں ڈھیل اس لیے دیتے ہیں کہ گناہ میں وہ اور بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے‘‘۔

آیت میں روئے سخن کافرین، مشرکین، منافقین اور مسرعین فی الکفر کی طرف پھیر دیا گیا ہے اور عمیق لطافت کے ساتھ انہیں یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ گرفت وگیر میں تمہل کا یہ معنی ہرگز نہ لیا جائے کہ انہیں ’’جہانِ خیر‘‘ کی سکونت مل گئی ہے، جہاں ان کے نفوس کے لیے خیر وعافیت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ڈھیل دینا اور مہلت دینا، عذاب اور ذلت میں شدت کے بڑھا دینے کے لیے ہے۔ عصیان شعاری اور گناہوں کی آلودگی کو آخری مرحلے تک پہنچانے کے لیے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ کتنے بدقسمت، بدبخت اور بدحال ہوتے ہیں جو آگے بڑھنے کی لذت میں اپنے پیچھے کی راہوں کا ہر پل توڑ دیتے ہوں، واپس لوٹنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ کفر اور گناہ کی چوسنیاں منہ میں رکھ کر جو لوگ زہر چوستے ہیں وہ تباہیوں سے بچ نہیں سکتے۔

آیت کا زمزمہ اس وقت ضوفشاں ہو گیا جب زینب سلام اللہ علیہا نے یہ آیت یزید کو مخاطب کر کے اس کے روبرو پڑھی اور فرمایا:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید سن اور غور سے سن! میں علی کی بیٹی ہوں، حسن اور حسین کی بہن ہوں اور محمد ﷺ کی نواسی ہوں۔

تو آج مسرور اور خوش ہے اور سوچ رہا ہے کہ وسیع دنیا میں نے آل محمد پر تنگ کردی ہے اور آسمان کے کناروں کو تو نے اُن پر بند کر دیا ہے اور قیدیوں کے لباس میں در بدر پھرا رہا ہے اور اسے تو اپنی طاقت کا نشان گردان رہا ہے یا اللہ کے ہاں تیری کوئی قدر و منزلت ہے اور آل محمد کے لیے کوئی راہ نہیں بچی، تجھے یہ موقع فطرت نے اس لیے فراہم کیا کہ تیری پشت گناہوں کے بوجھ تلے دب جائے۔ یاد رکھ! دردناک عذاب تیری گھات میں ہے۔

اللہ کی قسم!

اگر حوادثِ زمانہ مجھے ایک قیدی عورت کی صورت میں تیری قلمرو میں لے آئے ہیں تو ہرگز ہرگز گمان میں نہ پڑ کہ میری نظر میں تیری کوئی وقعت اور منزلت ہے۔ میں تجھے پست، عزت سے محروم، ہر لحاظ سے حقیر اور پھٹکار کا مستحق سمجھتی ہوں۔ تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے کرلے، میں تقدیر سے باہر ایک تنکا کی سرزنش بھی تسلیم نہیں کرتی۔

اللہ کی قسم!

تو گھرانہ رسول کے نور کو بجھا نہیں سکتا تو قرآن کی آواز خاموش نہیں کرسکتا، تو آئینِ حق کو بے رونق نہیں کرسکتا اور "وحی جاوداں" کا چراغاں تیرے مکرو منصوبہ سے بے نور نہیں ہوسکتا۔ تو نابود ہوجائے گا اور دین کا تابناک ستارہ ہمیشہ چمکتا رہے گا۔

قرآن مجید کی یہ آیت ان تمام حکمتوں کو بے نقاب کر دیتی ہے کہ ستم گروں اور عیاشی پیشہ لوگوں کے لیے مہلت کی رسیاں ڈھیلی کیوں کر دی جاتی ہیں ہاں یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ لعینان آتش ذلت وسقوط کے آخری نکتہ کو چھو لیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں نذرِ جہنم کر دیا جائے۔ واللہ اعلم

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝179

"اللہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ الگ کر دے گندوں کو پاکیزہ لوگوں سے اور نہ ہی اللہ غیب پر تمہیں مطلع کرنے والا ہے البتہ اللہ اس کے لیے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے"۔

واقعہٴ اُحد کے تناظر میں جو آیات نازل ہوئیں، اس سلسلہ کی یہ آیت آخری کڑی ہے، اب تربیت اور حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے قرآنی خطبہ آخری مرحلے میں داخل ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو ایک حکمتوں سے لبریز سبق یاد کروا رہا ہے کہ ممکن نہیں کہ اللہ مومنین کو اسی حالت میں رہنے دے کہ تطہیر اور صفائی کا عمل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے احوال نو مسلمانوں کے لیے مطلع تاریخ پر ضرور طلوع کرنے ہیں جن کی وجہ سے گندے لوگ اور پاکیزہ لوگ الگ الگ ہوجائیں، ان کے درمیان ایسا خط امتیاز کھینچ دیا جائے کہ مومنین جان رحمت کی نسبت سے پہچان لیے جائیں اور منافقین اپنی بدبو سے پہچان لیے جائیں۔

میدان جنگ میں نقصان اٹھانے کے بعد فطری امر تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور آرزو اور تمنا تڑپتی۔ جب اللہ ہر راز اور منصوبہ سے آگاہ ہے تو اُسے منافقین کی کیفیت اور منصوبوں سے غلامانِ رسالت مآب کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ آیت میں مسلمانوں کی تربیت کی گئی کہ غیبوں اور رازوں کے کھول دینے سے ضروری نہیں کہ تمہیں فائدہ ہی ہو، تم لوگ نقصان بھی اٹھا سکتے ہو، اس لیے یہ نصاب تمہارا نہیں ہے کہ تم یہ حاصل کرنے کے لیے پرجوش ہو، سمجھو کہ اس عظیم کام کے لیے اللہ اپنے پیارے رسولوں کو منتخب کر لیتا ہے اور انہیں خوب علمی دولت سے نوازتا ہے۔

عام لوگوں کا کام یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان علوم، معارف اور غیوب کا جولا متناہی سلسلہ موجزن ہے اس میں غوطہ زنی کی کوشش نہ کریں۔ یہ اللہ اور اس کے رسولوں پر چھوڑ دیں اور خود اپنی ایمانی اور عملی زندگی مضبوط کریں۔

امتیاز اور تفرد کا قانون جس مدار پر گھومتا ہے اس کی نشاندہی کر دی گئی وہ ہے اللہ اور اس کے رسول پر مضبوط ایمان اور تقویٰ۔ ان عملی اور اعتقادی اصولوں سے جتنی وابستگی گہری ہوگی، امتیاز و عظمت کا نور اتنا ہی چمکتا ہوا محسوس ہوگا۔ آیت میں ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایمان کی پہلی فطرت طہارت ہے، وہ لوگ جو ایمانی کہکشاں کے مدار سے سرکتے ہیں وہ گند کے گٹر میں پٹخ دیے جاتے ہیں۔ ایمان والوں کا جہاں اور ہے اور گندے منکروں کی دنیا اور ہے۔ گندی مکھیوں اور تتلیوں میں کافی فرق ہوتا ہے۔ بلبلوں اور چمگادڑوں کے ذوق اپنے اپنے ہوتے ہیں۔

شان نزول

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"میری اُمت مجھ پر پیش کی گئی جبکہ وہ مٹی کی مورتوں میں تھی۔ یہ نظارہ آدم نے بھی دیکھا۔ مجھے اللہ نے علم سے نوازدیا کہ کون مجھ پر ایمان لے آئے گا اور کون کفر کرے گا"۔

یہ خبر منافقین کو پہنچی تو استہزا اور ٹھٹھوں میں پڑ گئے کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایمان والوں اور کافروں سب کو جانتا ہوں لیکن ہماری منافقت کی تو انہیں خبر نہیں۔ اس پر رحمت عالم منبر پر جلوہ فروز ہوگئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ یاد رکھو آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اسے، کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا تم مجھ سے سوال کرو اور میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں۔"

اس پر عبداللہ بن حذافہ سہمی اٹھا اور بولا حضور میرا باپ کون ہے؟

حضور ﷺ نے فرمایا:

"حذافہ"

فرطِ جلال کے اشاروں کو عمر رضی اللہ عنہ پا گئے اور اٹھ کر معافی مانگ لی پھر آپ نے فرمایا:

کیا تم باز آؤ گے

کیا تم باز آؤ گے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ

یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اتر آئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (604)۔

واللہ اعلم

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝180

"اور وہ لوگ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس میں بخل

کرنے والوں کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے نقصان دہ ہے، عنقریب قیامت کے دن وہ جس میں انہوں نے بخل کیا تھا ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو"۔

ربط آیات

1۔ گزشتہ آیات میں منافقوں کو مومنوں سے ممیز کرنے کا ذکر تھا۔ اب آخرت میں مومن کا اپنے کردار کی بنا پر ممیز ہونے کا ذکر ہے۔

2۔ گزشتہ آیات میں ایمان اور تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ اب تقویٰ کا تقاضا بیان کیا جا رہا ہے کہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تقویٰ ہی کے درخت کی شاخ ہے۔

3۔ گزشتہ آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ انفاق کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔

4۔ گزشتہ آیات میں جانوں کی سخاوت کرنے والوں کی مدح تھی، اب ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال تک اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

پس منظر

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان مال دار مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے یا کم دیتے تھے(605) البتہ طبری نے لکھا کہ آیت ان یہودی علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو تورات سے حضور ﷺ کی نعتوں کا کتمان کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی بخل تھا جس پر یہ آیت نازل ہوئی(606)۔

بخل کے خوبصورت ارشادات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جن پر اللہ جل مجدہ کرم کی بارش برساتا ہے اور مکاشفات روحانی سے وہ آگاہ ہوتے ہیں لیکن طبیعت کے بخل کی وجہ سے وقائع اور حقائق کا وہ کتمان کر لیتے ہیں۔ اس نکتہ کا فہم یہ ہے کہ سخا کی اصل لوگوں کو عرفان حق کا راستہ بتانا ہے۔ مریدین پر یہ سخائے عظیم ہی ان کی محبتوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور ذوق عمل اور شوق عبادت ان کی زندگی میں بھڑک جاتا ہے۔

جو شخص حقائق سے آگاہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا وہ مال فدا کرنے کا حوصلہ کیسے رکھ سکتا ہے۔ اللہ کے دوست تو سخا کی برکتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں مریدین مال کی سخاوت، محبین جانوں کے قربان کرنے کی سخاوت اور عارفین روحوں کو فدا کرنے کی سخاوت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بخل رویت لطائف سے اندھا کرتا ہے اور سخاوت دل کی آنکھ کو کھول دیتی ہے۔ ایک جہاں اللہ والے پر روشن ہو جاتا ہے جہاں روحانی خزائن اور وہبی تجلیات کے خزانے کائناتِ طلب کو مالا مال کر رہے ہوتے ہیں(607)۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے(608):

ماجبلَ ولی اللہ الاّعلی السخا

"ولی اللہ کی جبلت میں سخاوت ہوتی ہے"۔

بخل کیا ہے؟

"البخل" کا معنی مال کی کسی بھی قسم کو روک لینا (609)۔ راغب اصفہانی نے لکھا کہ بخل کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ انسان اپنی جمع جوڑ کے ساتھ بخل کرے یعنی خرچ نہ کرے اور دوسری قسم یہ ہے کہ انسان دوسرے کی جمع جوڑ کو خرچ ہوتے دیکھ بھی نہ سکے(610)۔

بخل اور شح میں فرق یہ ہوتا ہے کہ بخل عملی روک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور شح اس قلبی اور ذہنی جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان بخل برتتا ہے اور شح میں اور بخل میں وسعت کے اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے۔ شح میں حرص اور طمع بھی بخل کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسروں سے اپنی نعمتیں روک لینے والا شخص عملی طور پر مفسدِ معاشرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید صاف طور پر اعلان کرتا ہے کہ جو قوم بخل میں پڑ جاتی ہے اُسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم کو قائم کر دیا جاتا ہے، جو تقویٰ اور سخاوت کے اصولوں پر زندگی استوار کرتی ہے۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ منفعت لوگوں کے لیے قائم رکھے اسی میں بقا کا راز مضمر ہے(611)۔

گلے کا طوق دولت

"یطوقون' طوق" سے ماخوذ ہے۔ جو چیز گلے میں ڈالی جائے وہ طوق ہوتا ہے۔ یہ مصنوعی بھی ہو سکتا ہے اور قدرتی طور پر بھی ہو سکتا ہے(612)۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ مال جس کی منفعت خود تک انسان محدود کر لے اور خرچ نہ کرے وہ گلے کا طوق بن جائے گا۔ الفاظ کی ساخت بتاتی ہے کہ انسان ایسے احوال کا تمام تر بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار ہوگا۔ ایسا مال جو جنون کے ساتھ کمایا جائے اور اس میں شرعی اور معاشرتی حقوق ادا نہ کیے جائیں، وہ مال اپنے مالک کے لیے زنداں اور زنجیر کے سوا کچھ نہیں۔

مسلم اور بخاری کی حدیث ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا(613):

"وہ شخص جسے اللہ مال دے اور وہ اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرے تو بروز قیامت اس کا مال گنجے اور داغ والے سانپ کی شکل میں اس کے گلے میں پڑے گا۔ اس کے جبڑے چبائے گا اور کہے گا" میں ہوں تیرا مال" اور میں ہوں تیرا خزانہ"۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(614):

"بخل سے بچو گزشتہ اُمتیں بخل کی وجہ سے ہلاک ہوئیں"۔

حضور ﷺ ہی کا ارشاد ہے(615):

"دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں، بخل اور بد خلقی"۔

مال اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے

آیت میں کمائی اور اموالِ موہوبہ سب کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام پیداواری ذرائع کا مالک اللہ ہی ہے۔ جو بھی کسی کو ملا ہے وہ اللہ کا فضل و کرم ہی ہے۔ اس لیے کسی شخص کا حق بنتا ہی نہیں کہ وہ اللہ کی دی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ ہونے سے روکے۔

آسمانوں اور زمین کی میراث

یہ مال اور جاہ جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں ہوتا وہ وقت آجائے گا کہ اپنے مالکوں سے جدا ہو جائے گا۔ جتنی آسمانوں اور زمینوں کی عارضی ملکیتیں ہیں اللہ ہی کی طرف لوٹ جائیں گی۔ یہ جملہ کہنے میں بھی روحانی سبق ہے کہ جتنا خرچ کر لیا جائے اپنا تو وہی ہے۔

اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے

تم بخل کرو گے تو اللہ وہ بھی جانتا ہے اور اموال معاشرے کے مفاد میں خرچ کرو گے تو اللہ وہ بھی جانتا ہے۔ اگر سب کچھ اس کی نظر میں ہے تو پھر مال خرچ کر کے مالوں کی روحانی برکات سے مستفید ہو۔

بقیہ: صفحہ نمبر 13 پر

علم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل مظہر

حافظ سخی احمد

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُئِلَ عَنْ عَلِيٍّ فَقَالَ: قُسِمَتِ الْحِكْمَةُ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ، فَأُعْطِيَ عَلِيٌّ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ وَالنَّاسُ جُزْءًا وَاحِدًا (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا اور ارشاد فرمایا: حکمت و دانائی کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا اور اس حکمت و دانائی کے نو حصے مولا علی کو عطا کیے گئے اور باقی ایک حصہ سارے لوگوں کو دیا گیا"۔

زیر مطالعہ حدیث مبارک کی تفہیم کے لیے ہم اس عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ کا تعلق اس بات سے ہے کہ عالم ما کان و ما یکون آقا ﷺ نے اپنے علی علیہ السلام کو کیا اور کیسے تعلیم دی اور دوسرے حصہ کا تعلق اس بات سے ہے کہ پھر مولا علی علیہ السلام نے کیسے اس شانِ علم کا اظہار فرمایا۔

پرندوں کی طرح چوگ چگانا

فرائد السمطین کی روایت بتاتی ہے کہ رسول اللہ نے اپنے علی کو کیسے تعلیم عطا فرمائی۔ مولا علی علیہ السلام ایک روز جب آپ نے معلم انسانیت آقا ﷺ کی زرہ پہن رکھی تھی اور آپ کی تلوار اور عمامہ کو پہن رکھا تھا تو کوفہ کے منبر پر گئے اور ارشاد فرمایا:

سلونی قبل ان تفقدونی فانما بین الجوانح منی علم جم هذا اسفط العلم

"مجھ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو دو یقیناً میرے سینہ میں بہت زیادہ علم ہے یہ علم کا بحرِ بیکراں ہے"۔

هذا لعاب رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم هذا ما زقنی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم زقا زقا، فو الله لو ثنیت لی وسادة فجلست علیها لافتیت اهل التوراة بتوراتهم و اهل الانجیل بانجیلهم حتی ینطق الله التوراة و الانجیل فیقولا یان: صدق علی قد افتا کم بما انزل فی و انتم تتلون الکتاب افلا تعقلون

"یہ لعابِ رسول کی وجہ سے ہے یہ وہ علم کی چوگ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے ایک ایک چوگ پس اللہ کی قسم! اگر میرے لیے نشست لگائی جائے اور میں اس پر مسند نشین ہو جاؤں تو اہل تورات کو تورات میں سے فتویٰ دے دوں اور اہل انجیل کو انجیل میں سے مسئلہ بیان کردوں یہاں تک کہ اگر اللہ تورات اور انجیل کو بولنے والا بنا دے تو دونوں کتابیں یہ کہیں گی کہ مولا علی نے تمہیں وہ فتویٰ دیا ہے جو ہم میں نازل ہوا ہے اور جبکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا تم عقل نہیں رکھتے"۔

پرندے کا اپنے بچے کو چوگ دینا، اس میں شدت محبت بھی ہے، غایت رحمت بھی ہے اور کمالِ کرم بھی ہے۔ آقا کریم ﷺ نے مولا علی علیہ السلام کو کیسے علم عطا کیا۔ اس بات کو بیان کرنے کے لیے فرمایا:

هذا لعاب رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم هذا ما زقنی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم زقا زقا

"یعنی مصطفیٰ کریم ﷺ کا لعاب مبارک جیسے جیسے میرے حلق سے اُترتا گیا۔ میرا سینہ علم کے نور سے روشن و منور ہوتا ہی چلا گیا"۔

عطائے علم کے غیبی ذرائع

علم حاصل کرنے کے غیبی ذرائع اور نگاہِ رسول کریم ﷺ کے فیضان کو درج ذیل روایت میں محسوس کریں جسے امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں بیان کیا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ وَأَنَا شَابٌّ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ تَبْعَثُنِي إِلَى قَوْمٍ أَقْضِي بَيْنَهُمْ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ؟ فَقَالَ: ادْنُ، فَدَنَوْتُ فَضَرَبَ يَدَهُ عَلَى صَدْرِي قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِي قَضَاءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ

"حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ خود سے بیان فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف بھیجا جبکہ میں ابھی نوجوان تھا تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے ایک ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جن کے درمیان مجھے فیصلہ کرنا ہوگا جب کہ مجھے قضا کا علم نہیں آتا حضور ﷺ نے فرمایا: میرے قریب آؤ، میں اُن کے قریب ہوا آپ ﷺ نے اپنا دستِ مُبارک میرے سینہ پر مارا اور دُعا فرمائی: اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت عطا فرما اور اس کی زبان کو استقامت دے مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی دو آدمیوں کے جھگڑے میں فیصلہ کرتے ہوئے دقت اور شبہ نہ ہوا"۔

بارگاہ رسالت ﷺ سے علم وحکمت وفقہ کی سندِ عزت

اپنے پیارے علی کو رسول اللہ ﷺ نے علم ایسے سکھایا جیسے پرندہ اپنے بچہ کو چوگ چگاتا ہے اور یہ سب کر لینے کے بعد یہ سند عطا فرمائی جسے بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔ ہم ابن المغازلی کی روایت کے الفاظ پیش کر رہے ہیں:

جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يَقُولُ: هَذَا أَمِيرُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْفَجَرَةِ مَنْصُورٌ مَنْ نَصَرَهُ مَخْذُولٌ مَنْ خَذَلَهُ يَمُدُّ بِهَا صَوْتَهُ

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا حدیبیہ کے روز آپ ﷺ حضرت علی کا ہاتھ پکڑے فرما رہے تھے کہ یہ صالحین کا امیر اور فاسقین و بدکار لوگوں سے

جہاد کرنے والا ہے اُس کی مدد کی جائے گی جو اس کی مدد کرے گا اور وہ ذلیل ورسوا ہو جائے گا جو اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرے گا''۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی آواز کو اور بُلند کرتے ہوئے فرمایا:

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ

''میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس شہر کا دروازہ ہے پس جس کو علم کی جستجو ہو وہ دروازے پر آئے''۔

ایک روایت میں حکمت ودانائی کا ذکر ہے:

أَنَا مَدِيْنَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

''میں حکمت کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے''۔

ایک اور روایت میں فقہ کا ذکر بھی ہے:

أَنَا مَدِيْنَةُ الْفِقْهِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

''میں فقہ کا شہر ہوں اور اس شہر فقہ کا دروازہ علی رضی اللہ عنہ ہے''۔

علم ودانائی صرف دہلیزِ علی رضی اللہ عنہ ہی سے ملے گی

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا امکان اور گنجائش کی ختم کردی کہ مولا علی پاک علیہ السلام کی محبت ومؤدت کے بغیر کسی کو علم حقیقی کا شمّہ بھی میسر نہیں آسکتا۔ درج ذیل دو روایات ملاحظہ ہوں:

أنا مدينة العلم وعلي بابها، ولا تؤتى البيوت إلا من أبوابها

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا جاسکتا ہے''۔

يا علي أنا مدينة العلم وأنت الباب، كذب من زعم أنه يصل إلى المدينة إلا من الباب

''اے علی! میں علم کا شہر ہوں اور تم اُس کا دروازہ ہو۔ وہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے جو یہ کہے کہ میں شہر میں دروازے کے بغیر ہی داخل ہوا''۔

علم اللہ کا نور ہے اور نورِ الٰہی ہی انسان کو جنت میں لے جاتا ہے اسی لیے آقا کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

أنا مدينة الجنة وعلي بابها، فمن أراد الجنة فليأتها من بابها

''میں جنت کا شہر ہوں اور اس شہر جنت کا دروازہ علی ہے۔ پس جس کا ارادہ جنت میں جانے کا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ جنت کے دروازے پر آئے''۔

درج بالا فرامین رسول کریم ﷺ سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ علم کی خیرات دَرِ علی ہی سے ملے گی۔

حضور ﷺ کا فیضان علم مولا علی پاک علیہ السلام ہی کے صدقے میں ہوگا

نگاہِ محبتِ رسول ﷺ مولا علی علیہ السلام کے طفیل ہوگی

رسول اللہ ﷺ کی خیرات وعطا مولا علی رضی اللہ عنہ ہی کے توسل سے ہوگی

محبوب ربّ العالمین ﷺ کا کرم وفضل مولا علی ہی کے تصدق سے نصیب ہوگا۔

''حبر الامۃ'' کا نیاز واعتراف

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہیں ''حبر الامۃ'' کہا جاتا ہے وہ اپنے علم اور اصحابِ رسول کے علم کو جب مولا علی علیہ السلام کے علم سے تشبیہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: علي علم علما علمه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ورسول الله علمه الله، فعلم النبي من علم الله، وعلم علي من علم النبي، وعلمي من علم علي عليه السلام وما علمي وعلم أصحاب محمد صلى الله عليه وآله وسلم في علم علي إلا كقطرة في سبعة أبحر

''حضرت عبد اللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ مولا علی نے علم حاصل کیا انہیں علم رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا پس نبی کریم ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے اور مولا علی پاک علیہ السلام کا علم نبی کریم ﷺ کے علم سے ہے اور میرا علم مولا علی پاک رضی اللہ عنہ کے علم سے ہے میرا اور رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب کا علم مولا علی کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہی ہے جتنا کہ سات سمندر کے سامنے ایک قطرہ کی حیثیت ہوتی ہے''۔

علامہ ابن عبد البر الاستیعاب میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور فرمان نقل کرتے ہیں:

وقال ابن عباس: أعطي علي بن أبي طالب تسعة أعشار العلم، وايم الله لقد شاركهم في العشر العاشر

''علم کے نو حصے امام علی المرتضیٰ کو عطا کیے گئے اور اللہ کی قسم! تم سب کو باقی دسویں حصے میں شریک کیا گیا''۔

بس یہی عرض کی جاسکتی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح علماء و خطباء کو بھی مولا علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کر ہی دینا چاہیے۔ مفتیوں کے فتوے تبھی معتبر ہوں گے جب اُن کے قلم دہلیزِ علی المرتضیٰ علیہ السلام پر جھکے رہیں گے

شانِ اظہارِ علمِ رسالت کا ایک منظر

یہ جلالت وشان وشوکت علمِ رسول کریم تھی کہ آپ ﷺ نے منبر پر ''سَلُوْنِي عَمَّا شِئْتُمْ'' ارشاد فرمایا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں رسول اللہ سے ناگوار اشیاء اور نامناسب سوالات کیے جاتے جب ایسا اکثر ہونے لگا تو مزاج مبارک پر جلال آ گیا پھر لوگوں سے ارشاد فرمایا: جو چاہتے ہو پوچھو ایک آدمی نے سوال کیا: میرا باپ کون ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: حذافہ ایک اور آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ کون ہے؟ جواب دیا: تیرا باپ سالم مولیٰ شیبہ ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چہرۂ رحمت پر جلال دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

امام بخاری ہی کی صحیح بخاری سے ایک اور روایت کے چند الفاظ پیش خدمت ہیں:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ، فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو سوال کرنا چاہتا کسی بھی شے کے متعلق تو وہ سوال پوچھ لے، اللہ کی قسم! تم مجھ سے جس بھی شے کے بارے میں

سوال کرو گے میں تمہیں اس کی مکمل تفصیل بتا دوں گا جب تک میں اپنے اس مقام پر موجود ہوں''۔

خاصہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اس سنتِ رسول کو کوئی اور زندہ نہ کر سکا اور نہ ہی اور کے حصے میں یہ عظمت آئی کہ وہ منبر پر سب کے سامنے ''سلونی'' کہہ سکے۔ یہ بھی خاصہ مولا مرتضیٰ علیہ السلام ہی ہے کہ آپ نے ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار ''سلوني'' ارشاد فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ علم پھر کیسے مولا علی علیہ السلام سے صادر ہوا وہ تاریخ کے سینے پر نقش ہے جس کے چند مظاہر قارئین کو پیش کیے جا رہے ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے:

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: سَلُونِي إِلَّا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو چاہو سوال کرو، جواب دیا جائے گا سوائے مولا علی ابن ابی طالب کے''۔

باب مدینۃ العلم کرم اللہ وجہہ الکریم ''سلوني'' کہتے ہی رہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ظہورِ علمِ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ کی ذات سے ظاہر ہو کر ''انا من علی'' کی تفسیر بنے گا۔

چند مقامات ''سلوني'' ملاحظہ ہوں:

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَهُوَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُولُ: سَلُونِي، فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ يَكُونُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا حَدَّثْتُكُمْ بِهِ، وَسَلُونِي عَنْ كِتَابِ اللهِ فَوَاللهِ مَا مِنْهُ آيَةٌ إِلَّا وَأَنَا أَعْلَمُ أَنَّهَا بِلَيْلٍ نَزَلَتْ أَمْ بِنَهَارٍ أَمْ بِسَهْلٍ نَزَلَتْ أَمْ بِجَبَلٍ

''حضرت ابو طفیل سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں میں مولا علی پاک کی محفل میں حاضر تھا اور آپ خطاب فرما رہے تھے اور آپ ارشاد فرما رہے تھے: مجھ سے سوال کرو، اللہ کی قسم تم قیامت تک کے کسی بھی معاملہ اور شے کے بارے میں سوال کرو میں اس کا مکمل جواب دوں گا اور مجھ سے اللہ کی کتاب کے بارے سوال پوچھو اللہ کی قسم! قرآن پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا پھر دن میں اُس کا نزول ہوا وہ آیت میدان میں اُتری یا پھر اُس کا نزول پہاڑ پر ہوا''۔

فَقَامَ ابْنُ الْكَوَّاءِ وَأَنَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ خَلْفِي قَالَ: أَفَرَأَيْتَ الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ مَا هُوَ؟ قَالَ: ذَاكَ الضُّرَاحُ فَوْقَ سَبْعِ سَمَوَاتٍ تَحْتَ الْعَرْشِ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ فِيهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''ابن الکواء اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑا ہوا حضرت ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں مولا علی اور اس کے درمیان میں تھا جب کہ ابن الکواء میرے پیچھے تھا سوال کیا: بیت المعمور کے بارے میں ارشاد فرمائیں کہ وہ کیا ہے؟ حضرت مولا مشکل کشا علیہ السلام نے جواب دیا یہ وہ سوراخ اور مقام ہے جو سات آسمانوں کے اوپر ہے مگر عرش کے نیچے اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو روز قیامت تک دوبارہ داخل نہیں ہو سکتے''۔

ایک اور مقام و روایت امام حاکم کی المستدرک سے قابل مطالعہ ہے:

أَبُو الطُّفَيْلِ عَامِرُ بْنُ وَاثِلَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَامَ فَقَالَ سَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي وَلَنْ تَسْأَلُوا بَعْدِي مِثْلِي

''حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ میں نے مولا علی پاک علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا آپ کھڑے تھے اور فرما رہے تھے کہ مجھ سے جو چاہو پوچھ لو اس سے قبل تم مجھے کھو دو اور تمہیں سوالوں کا جواب دینے والا بعد میرے بعد میرے جیسا ہرگز نہ ملے گا''۔

فَقَامَ ابْنُ الْكَوَّاءِ فَقَالَ: مَنِ الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ؟

''اور ابن الکواء اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کہنے لگا وہ لوگ جنہوں اللہ کی نعمت کو کفر کرتے ہوئے بدل ڈالا اور ان کی قوم کے لیے تباہی کا ٹھکانہ ہے۔ اس آیت کا مصداق کون ہیں''۔

قَالَ: مُنَافِقُوا قُرَيْشٍ قَالَ: فَمَنِ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا؟ قَالَ: مِنْهُمْ أَهْلُ حَرُورَاءَ

جواباً ارشاد فرمایا: قریش کے منافق اس آیت سے مراد ہیں۔

پھر سوال کیا: وہ جن کی کوشش و کاوش اس دُنیاوی زندگی میں ہی برباد ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس آیت قرآنی کا مطلب کیا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اس سے مراد اہل الحروراء ہیں۔

مولا علی پاک علیہ السلام نے مزید مقامات پر ارشاد فرمایا:

سلوني عن أسرار الغيوب فاني وارث علوم الأنبياء والمرسلين

''مجھ سے غیب کے رازوں کے بارے میں پوچھ لو۔ بے شک میں انبیاء اور مرسلین کے علوم کا وارث ہوں''۔

سلوني قبل أن تفقدوني فانّ بين جنبيّ علوما

''مجھ سے سوال کر لو اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو بیٹھو، بے شک میرے پہلو علم سے بھرے ہوئے ہیں''۔

سلوني قبل أن تفقدوني فلأنا بطرق السماء

''مجھے کھونے سے پہلے ہی مجھ آسمانوں کے راستوں کے بارے میں جان لو''۔

سلوني قبل أن تفقدوني، فو الله ما من أرض مخصبة و لا مجدبة، و لا فئة تضل مائة أو تهدي مائة، إلاّ و أنا أعلم قائدها و سائقها و ناعقها الى يوم القيامة

''اس سے پہلے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں، مجھ سے سوال کر کے جان لو، اللہ کی قسم! زمین کوئی خشک و تر ٹکڑا ایسا نہیں اور نہ ہی قیامت تک کوئی گروہ ایسا ہے جو گمراہ ہو یا پھر ہدایت یافتہ مگر میں اس کے قائد، اس کو آگے بڑھانے والا اور پھیلانے والے کو جانتا ہوں''۔

سلوني قبل أن تفقدوني سلوني عن كتاب الله

''اس سے پہلے کہ میں تم سے بچھڑ جاؤں مجھ سے اللہ کی کتاب کے بارے میں سیکھ لو''۔

سلوني عن الفتن فما من فتنة إلاّ و قد علمت من كسبها و من يقتل فيها

''مجھ سے فتنوں کے بارے میں جان لو کیونکہ کوئی ایسا فتنہ نہیں ہے مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ وہ فتنہ کون پیدا کریگا اور کون کون اس میں مارا جائے گا''۔

لاتسألوني عن آية من كتاب الله أو سنة ماضية إلا قلت

"تم مجھ سے کوئی بھی سوال کتاب اللہ کی آیت یا رسول اللہ کی سنت کے بارے میں کرو تو میں اس کا تسلی بخش جواب عطا کروں گا"۔

اگر کبھی نصیب جو ہو اور انسان تصور یا عالم وجدان میں مولا علی پاک علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دریافت کرے کہ آپ بار بار "سلونی سلونی" کیوں کہتے رہے؟؟

اے خطیبِ منبر سلونی! علم مصطفیٰ ﷺ کے ظہور کا تسلسل کیا ہے؟؟

فرمایا: میرے حسن علیہ السلام کو دیکھو، میرے حسین علیہ السلام کے کربلا کا رنگ فصاحت دیکھو اور نیزے پر تلاوت سماعت کرنا۔

شام کے دربار میں میری لختِ جگر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا اندازِ بلاغت ملاحظہ کرو۔

میرے زین علیہ السلام کی عبادت، سیادت اور استقامت کو دیکھ لو۔

میرے باقر علیہ السلام کی علمی نشست گاہوں کا مطالعہ کر لو۔

میرے جعفر علیہ السلام کے شاگردوں جابر بن حیان و ابو حنیفہ کی علمی وجاہت دیکھ کر فیصلہ کرنا۔

کہ کیا علی علیہ السلام رسول سے نہیں ہے اور کیا شانِ علم رسول ﷺ کا برملا اظہار علی رضی اللہ عنہ اور علی کے خاندان سے نہیں ہے؟؟؟

ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ قیامت تک علم و دانش و حکمت و فقہ کے سرچشمے مولا علی علیہ السلام ہی کے در سے پھوٹتے رہیں گے۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی فریاد و التجا کے الفاظ سے ہم بھی بارگاہ مرتضیٰ علیہ السلام میں عرض گزار ہوتے ہیں:

مرتضیٰ ، شیرِ خدا ، مرحب کشا امداد کن
سرورا ، لشکر کشا ، مشکل کشا امداد کن

بقیہ: تبصرہ و تذکرہ

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

"بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سن لیا ہے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں، اب ہم لکھ رکھتے ہیں جو بھی انہوں نے کہا اور ان کے نبیوں کو ناحق شہید کرنے کو بھی اور ہم حکم دیں گے چکھو جلا دینے والا عذاب، تمہارے ہاتھوں نے جو کچھ آگے بھیجا یہ اس کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا"۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں (616):

رسول اکرم ﷺ نے بنو قینقاع کے یہودیوں کو خط لکھا۔ اس میں اسلامی احکام کی تفصیل لکھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا اور اللہ کو قرض دینا یعنی اموال کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ رسول اکرم ﷺ کا قاصد خط لے کر جب یہودیوں کے بیت المدارس میں پہنچا تو فخاص یہودی کے ہاتھ میں خط پکڑا دیا۔ اُس نے خط پر طنزیہ بحث کی کہ تمہاری باتیں اگر سچی ہیں پھر تو یہ کہنا چاہیے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فخاص نے بعد میں اگرچہ انکار کر دیا لیکن الفاظ میں تناؤ اور گستاخی شدید تھی۔ اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا۔

سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں (617):

یہ درست ہے کہ یہود اپنے گھٹیا ادبی ریکارڈ رکھنے میں ذلیل قوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی اظہاراتی کمینگی ان کی تحریف شدہ کتابوں سے عیاں ہے۔ قرآن مجید نے ان کے جس قول کا حوالہ دیا ہے، یہ یہود کی انتہائی بے ادبی ہے، گستاخی ہے اور بد تمیزی ہے۔ قرآن مجید نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ اللہ نے ان کا گستاخانہ قول سن لیا ہے اور صرف یہی نہیں ہم نے لکھ بھی لیا، صرف یہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گندے اعمال کا ریکارڈ محفوظ کر لیا ہے۔ اس نالائق قوم کو اپنے کیے کی سزا آگ میں جلنا بھگتنا ہو گی اور کہا جائے گا یہ تمہارے ہولناک اعمال کی خوفناک سزا ہے ورنہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

حوالہ جات

(604) تفسیر حسنات: ابو الحسنات قادری
(605) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن
(606) تفسیر طبری: ابن جریر طبری ایضاً روح المعانی ایضاً بقلی
(607) عرائس البیان: بقلی
(608) کشف الخفا: عجلونی ایضاً الترغیب ایضاً بقلی
(609) تاج العروس: زبیدی حنفی (610) المفردات: راغب اصفہانی
(611) القرآن: سورت محمد آیت: 38
(612) لسان العرب: ابن منظور ایضاً تاج
(613) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب الزکوٰۃ
(614) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان (615) جامع ترمذی: کتاب الزکوٰۃ
(616) روح البیان: اسماعیل حقی (617) فی ظلال القرآن: سید قطب

لالہ جی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

"اہل دین سے ملاقات ایمان کو قوی کرتی ہے۔ علماء کی مجلس فکری اور اعتقادی اصلاح کا سبب ہوتی ہے۔ صالحین کی صحبت ایمان و ایقان پر استقامت کا موجب ہوتی ہے اور اہل دنیا سے ملاقات ضعف عمل اور انتشار طبعی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ان سے محبت ایمان کی بربادی اور ان کی صحبت افلاس سیرت کا باعث ہوتی ہے۔ وزیر اعظم تم سے ملاقات کرے تو اسے دین کی راہ پر ڈال کر اس کی خیر خواہی کرو اور وہ اگر تم سے نہ ملے تو تم خود اس سے ملاقات کی خواہش نہ رکھو ورنہ تمہارا ایمان برباد ہو جائے گا"۔

"سنابلِ نور" سے ایک اقتباس

منجانب: ملک محمد سجاد۔ لاہور

مفہوم نبوت و رسالت

علامہ احمد سعید کاظمی

نبوت اور رسالت کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے ہم نبوت و رسالت کے حقیقی مفہوم سے ذہن کو آشنا کرلیں۔

نبوت و رسالت میں فرق

اصطلاح سے قطع نظر ہر نبی رسول ہے۔ اصطلاح کی قید اس لیے لگائی کہ اصطلاح میں رسول اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت لے کر آئے، پس اصطلاح سے قطع نظر ہر نبی، رسول یعنی پیغمبر ہوتا ہے، کوئی نبی ایسا نہیں جو خدا کا پیغام نہ لائے، ہر نبی خدا کا پیغام لانے والا اور رسول ہوتا ہے۔ لیکن ہر رسول کا نبی ہونا ضروری نہیں، اس لیے کہ نبی انسانوں کے لیے خاص ہے، نبی انسانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا اور رسول عام ہے، جیسا کہ رسول ملائکہ میں بھی ہیں اور جنوں میں بھی ہیں، جیسے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل علیہ السلام رسول تو ہیں لیکن نبی نہیں، پس جو انسانوں میں سے نہ ہو اور اس کو رسالت دی جائے وہ رسول تو ہے مگر اس کو نبی نہیں کہتے۔ شاید کوئی سمجھے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو وہ رسول ہوتا ہے اور نبی ہوتا ہے، تو یہ غلط ہے کیونکہ وحی تو ایک تیز اشارے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے اشارات انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کی طرف بھی فرمائے اور انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دیگر لوگوں کے بارے میں بھی اشارات فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی (طٰہٰ:۳۸)

”جب ہم نے غیبی اشارہ سے آپ کی والدہ کو وہ بات سمجھائی جس کی وحی آپ کو کی جارہی ہے“۔

اب یہاں دیکھیے قرآن کریم سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی ہوئی لیکن عورت نبی نہیں ہوسکتی۔ نبوت تو صرف مرد انسانوں کے لیے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا
قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ
تَقِیًّا قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ
غُلٰمًا زَکِیًّا (مریم:۱۷ تا ۱۹)

اب دیکھیے کہ وہ رسول یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک بشر کامل کی شکل میں متشکل ہوئے جب حضرت مریم علیہا السلام نے ان کو شکل بشر میں دیکھا تو سمجھا کہ واقعی یہ کوئی بشر ہے، وہ مقدسہ بندی تھیں فوراً پناہ مانگی اور کہا اگر تم متقی ہو تو مجھ سے فوراً دور ہو جاؤ اس نے کہا اس کے سوا میں کچھ بھی نہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے قاصد ہوں اور آپ کو رب کی طرف سے ایک پاک بیٹا دینے آیا ہوں۔

یہاں جبرائیل علیہ السلام نے جب یہ بات فرمائی تو متکلم کے صیغے کے ساتھ بیان کی کہ میں تم کو ایک بیٹا دینے آیا ہوں حالانکہ بیٹا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معطی حقیقی یعنی حقیقت میں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا بندہ کسی کو کچھ عطا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے دیتا ہے اس لیے جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بیٹا دینے آیا ہوں اس کے علاوہ دیگر ملائکہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کی طرف بھیجا اور ان کو شرف مکالمہ سے نوازا اور فرشتوں نے ان کے ساتھ باتیں کیں۔

شہد کی مکھی کو وحی

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ
الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ
(النحل:۶۸)

”اور آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور اُن چھپروں میں، جنہیں لوگ اُونچا بناتے ہیں“۔

اب دیکھیے یہاں قرآن کریم بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی لیکن یہاں نبوت کا تصور بھی نہیں، بہر حال یہ سمجھنا کہ جس کی طرف بھی وحی ہوجائے وہ نبی یا رسول ہے، غلط ہے، پس نہ فقط وحی سے اور نہ جبرائیل علیہ السلام کے آنے سے نبوت ملتی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام تو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے ہیں، نبوت تو ایک اور چیز ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو ان سب چیزوں سے الگ ہے۔

اب پہلے میں نبوت اور رسالت کے وہ معنی جو انسانوں کے حق میں ہیں بیان کردوں کیونکہ اس وقت ملائکہ کی رسالت سے گفتگو نہیں بلکہ انسانوں کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے۔

نبوت کی تعریف

نبوت کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقدس و مطہر اور پاک بندے پر ایسی وحی نازل فرمائے کہ اس کلام وحی یا خطاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اس کے ذمہ عائد ہوجائے یا اس پر کسی چیز کو واجب کردیا جائے اور وہ چیز پہلے اس پر واجب یا ضروری نہ تھی اب واجب اور ضروری ہوگئی پس جس مقدس بندے کو اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے یا واسطے کے بغیر اپنا کوئی ایسا پیغام دے یا کوئی ایسا خطاب کرے یا کوئی ایسی وحی فرمائے کہ جس وحی، خطاب یا تکلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس بندہ پر وہ چیز جو پہلے اس پر واجب نہ تھی اب فرض، واجب اور لازم ہوگئی۔ اس بندے کا اس لازمی امر کے لیے مامور ہونا نبوت ہے اور یہ بات سوائے نبی کے کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہوسکتی۔

فقط اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہونا نبوت نہیں

فقط اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہونا نبوت نہیں ملائکہ کے

ذریعے اللہ تعالیٰ کا تخاطب اپنے بندوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ۶۴)

یعنی ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی، اس بشارت کی تفسیر، حدیث میں یوں کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن اور بالخصوص مومن صالح اور اللہ تعالیٰ کا مقرب محبوب، جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، موت کو پسند نہ کرنا انسان کی جبلت میں ہے، اسی حدیث قدسی میں جس میں کہا گیا ہے کہ میں اپنے بندے کے کان ہوجاتا ہوں، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں ہوجاتا ہوں، یہ طویل حدیث ہے، اس کے آخر میں ہے:

وما ترددت عن شیء انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مسائته وفی بعض النسخ ولا بدله منه

''اور میں توقف نہیں کرتا کسی شے میں جیسے میں کرنے والا ہوں، مثل میرے توقف کے مومن کی جان قبض کرنے سے کہ وہ (بحکم طبیعت) موت کو ناخوش رکھتا ہے اور میں اس کے غمگین ہونے کو ناپسند رکھتا ہوں اور بعض نسخوں میں ہے کہ حال یہ ہے کہ بندے کو موت سے چارہ نہیں، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا''۔

یعنی میں کسی کام میں جو کہ میں کرنا چاہتا ہوں، دیر نہیں کرتا اور کبھی اتنی تاخیر نہیں فرماتا، جتنی دیر اس مومن کی موت کو واقع کرنے میں کرتا ہوں اس لیے کہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اس کے موت کے پسند نہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں اور مجھے اس بندے کی ملاقات بڑی محبوب ہوتی ہے، پھر انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ بات اگر کسی کے ذہن میں آجائے تو میرا مدعا بھی حل ہوجائے۔

مومن کو مرتے وقت بشارتیں

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ موت سے کراہت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنی حکمت بالغہ سے کام لیتا ہے اور جانتا ہے کہ میرا بندہ موت کو طبعاً پسند نہیں کرتا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے فرشتے بھیجتا ہے اور وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اس بندے کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں لے کر آتے ہیں پس جو اعزاز و اکرام، راحتیں اور لذتیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے بندے کے لیے نازل ہوتی ہیں تو ان بشارتوں کو دیکھتے ہی اس بندے کی طبعی کراہت ختم ہوجاتی ہے اور اس میں اشتیاق پیدا ہوجاتا ہے اور مسرور ہوکر مسکراتا ہے:

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور صالحین پر فرشتے بشارتیں لاتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے واسطے سے تخاطب فرماتا ہے مگر اس کے باوجود وہ بندے اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں ہوتے۔ نبوت کا مقام اس سے بہت بلند ہے اور صرف ایسا تخاطب نبوت نہیں ہوتی، پس جو اللہ تعالیٰ کا مامور ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی وحی اور پیغام کے ذریعے بالواسطہ یا بلا واسطہ تخاطب فرمائے اور مامور فرمائے تو وہ نبی ہے، ورنہ وحی تو شہد کی مکھی کی طرف بھی کی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف بھی کی گئی۔

اگر یہ بات ذہن نشین کرلی جائے تو بہت سی گمراہیوں سے نجات حاصل ہوسکتی ہے اور نبوت کا جو معنی اور مفہوم میں نے عرض کیا ہے اگر اس کو ذہن نشین رکھا تو اگلی بات اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

حضور ﷺ پر نبوت ختم ہے اِس کا منکر کافر اور مرتد ہے

یہ بات تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور حضور ﷺ پر ختم ہوگئی، یہ کوئی عالم ارواح کی بات نہیں، یہاں کی بات ہے اور یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہے اس پر ایمان لانا شرط ہے کیونکہ جو حضور اکرم ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ مرتد اور کافر ہے، پس حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تو کیا ابد تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔

اب وہ لوگ جنہوں نے ختم نبوت کے متعلق ایسی باتیں شروع کردیں کہ جن میں نہ کوئی عقلی بات ہے اور نہ دلائل ان کی یہ باتیں دلائل اور سمعیات وغیرہ سب سے عاری ہیں۔ غلط توجیہات اس انداز سے کی گئی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں کس طرح باطل کو حق کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں، پس آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا لیکن فرقہ مرتدہ مرزائیہ کہتا ہے کہ تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے اور جو نبوت تشریعی نہیں ہے وہ ختم نہیں ہوئی وہ چلے گی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تشریعی نبوت اور قادیانیت کا دروغ بے فروغ

آج تک ''تشریعی نبوت'' کا کوئی واضح مفہوم یہ لوگ نہ بتا سکے، جو تشریعی نبوت کی آڑ لے کر ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں ہم نے کہا کہ نبوت تشریعی کا مفہوم تو بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ جس نبوت میں احکام نازل کیے جائیں وہ نبوت تشریعی ہے اور جس میں احکام نہ ہوں وہ غیر تشریعی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام کی آمد ختم ہوگئی، پس جس نبوت میں احکام نہ ہوں وہ نبوت چلے گی ہم نے پوچھا کہ احکام کی تشریح کیا ہے؟ انہوں نے کہا ''حکم'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز پر کسی کو ضروری اور لازمی قرار دینا جو چیزیں پہلے لازمی اور ضروری تھیں ان سے رعایت دینا۔

ہم نے کہا کہ پھر تو غیر تشریعی ہرگز کوئی نبوت نہیں، نبوت تو ہوتی ہی وہ ہے جو تشریعی ہو اور جس میں کوئی حکم نہ ہو وہ تو نبوت ہی نہیں، اب تک میں آپ کی خدمت میں نبوت کا جو مفہوم واضح کرنا چاہتا تھا اس کا مطلب اور مقصد یہی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ وحی فرمائے اور اس وحی کے نتیجے میں احکام مرتب ہوں وہ نبوت ہے۔ محض وحی کا نزول نبوت ثابت نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ نبوت کی دو قسمیں کرنا غلط ہے کیونکہ جب نبوت کے معنی ہی یہی ہیں کہ جہاں ''حکم'' ہو وہاں نبوت ہے اور جہاں حکم نہیں وہاں نبوت نہیں، اب جس غیر تشریعی نبوت کا تم ڈھنڈورا پیٹتے ہو وہ تو کوئی نبوت ہی نہیں، اس کو نبوت کہنا غلط ہے۔

دیکھیے میں چاہتا ہوں کہ اس انداز سے بات کہوں کہ کسی کا ذہن الجھنے نہ پائے، میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم جب کسی بندے کو فرشتے کے واسطے سے یا واسطے کے بغیر دے یہی نبوت ہے۔

اب ایک تو ہے ''نبوت'' اور ایک ہے ''فیضان نبوت'' نبوت تو حضور ﷺ پر ختم ہوگئی اور فیضان نبوت جاری رہے گا کیونکہ اگر فیضان نبوت کا دروازہ بھی بند ہوجائے تو پھر نبی کا فیض کسی تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس وہ فیضان نبوت، جو باقی ہے اس کو حضور نبی کریم ﷺ نے مبشرات سے تعبیر فرمایا بلکہ حضور ﷺ

نے اجزائے نبوت سے تعبیر فرمایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اجزائے نبوت کہا تو وہ تو نبوت سے متعلق ہیں پھر تو نبوت باقی ہوئی۔

تو سنیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات

یعنی نہیں باقی رہی نبوت سے کوئی چیز مگر مبشرات، ہم اسے نبوت کا جزو مجازاً کہتے ہیں اور اصل یہ مبشرہ ہے، اگر یہ ہی نہ ہو تو دنیا میں کوئی فیوض و برکات نہ پھیلیں۔

اگر محض سچے خوابوں کا نام نبوت رکھ دیا جائے تو پھر وہ کون سے مسلمان ہیں۔ جن کو کبھی سچا خواب نہ آئے، اس طرح تو ہر مسلمان نبی ہو جائے گا کیونکہ ہر مسلمان کو کبھی نہ کبھی سچا خواب آ ہی جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آدمیوں کو سوتے ہوئے مبشرات دے دیتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے جاگتے ہوئے بھی دے دیتا ہے پتا چلا کہ مبشرات کے معنی نبوت نہیں، مبشرات تو درحقیقت فیضان نبوت ہے اور یہ جاری ہے۔

مرزا قادیانی کی ایک اور غلط بیانی

نبوت کا ظل بھی فیضان نبوت ہے حضور ﷺ کی اتباع، حضور ﷺ کا ظل ہے اور اس ظل کو نبوت سے تعبیر کرنا بظاہر نبوت پر ظلم ہے بلکہ اپنے آپ پر ظلم ہے کہ کفر میں پڑنا ہے دراصل یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں کیونکہ مرزا قادیانی نے تو تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کو حقیقی نبوت کہتے ہیں مرزا قادیانی نے اسی حقیقی نبوت کا دعویٰ کیا کیونکہ اس نے بار بار کہا کہ میں خدا کا مامور ہوں اور یہاں تک کہ اس نے اپنے نہ ماننے والوں کو خارج از اسلام سمجھا پتا چلا کہ اس نے ماموریت قطعیہ کا دعویٰ کیا اور اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے جب اس کے دعوے کے مطابق اس پر ایمان نہ لانا کفر کا سبب ہے تو ایمان و کفر کے مسئلہ میں کم از کم ایک حکم کا اضافہ تو ہو گیا اب تک تو کہتے تھے کہ یہ غیر تشریعی نبی ہے جب ایک حکم بھی ثابت ہو گیا تو یہ دعویٰ تو باطل ہو گیا۔

مفہوم رسالت

نبوت اور رسالت مفہوم اور معنیٰ کے لحاظ سے رسل بشر کے حق میں یکساں ہیں، نبوت کے ساتھ ساتھ رسالت کے مفہوم کو بھی عرض کرتا ہوں کہ رسالت ایک تعلق اور ربط کا نام ہے اگر وہ ربط نہ ہو تو رسالت کا کوئی مفہوم نہیں، وہ ربط ایک علمی، عملی اور باطنی تعلق ہے، جسے ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اگر نبی یا رسول کا کوئی معنوی ربط مرسل الیہ کے ساتھ نہ ہو تو اس رسول کی رسالت کے کوئی معنیٰ نہ بنیں گے اور اس رسول کا ہونا مرسل الیہ کے لیے بالکل بے معنیٰ ہوگا۔

رسول کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس کی طرف وہ رسول بن کر آیا، اس سے ایک اندرونی نسبت ہے، جس سے نبی کا فیض پہنچ رہا ہے، اب اگر وہ قبول کرے تو خوش نصیب ہے اور جو نہ کرے وہ بد بخت ہے، سورج تو سب پر پھیلا ہوا ہے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ہم پر بھی روشن ہے اور ایک نابینا ہے اس پر بھی سورج کی روشنی ہے لیکن وہ نہ دیکھ سکے گا، اب سورج کی شعاعوں نے تو نابینا سے رابطہ قائم کر لیا لیکن اس کی آنکھوں میں نور نہیں، وہ نور کے بغیر نور سے کس طرح رابطہ قائم کر سکتا ہے اور وہ سورج کی روشنی سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے؟

اب سمجھ لو کہ رسالت کا آفتاب طلوع ہوا تو اس کا نور ہر طرف پھیلا ہوا تھا یہ روشنی اور یہ اجالا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی پڑ رہا تھا اور ابوجہل پر بھی پڑ رہا تھا ابوجہل چونکہ خود نور سے محروم تھا اس لیے آفتاب رسالت سے کوئی رابطہ نہ پیدا کر سکا اور کچھ حاصل نہ کر سکا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ آفتاب زمین کے لیے ہے مگر آفتاب کی کوئی شعاع زمین کے فلاں حصے پر نہیں پڑتی تو یہ غلط ہے کیونکہ آفتاب جب چمکتا ہے تو اس کی شعاعیں ہر چیز پر پڑتی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی چیز میں آفتاب کی شعاعوں سے مستفید ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

اسی طرح حضور ﷺ جو کہ آفتاب نبوت ہیں حضور ﷺ کا عالموں کا رسول اور نور ہونا تب صحیح ہوگا جبکہ حضور ﷺ کے نور رسالت کی شعاعیں ہر عالم کی ہر چیز پر پڑ رہی ہوں آپ یقین جانیے کہ حضور ﷺ کے نور رسالت کا پرتو تو ہر عالم کے ہر ذرے پر پڑ رہا ہے اور ہر عالم کا ہر ذرہ میرے آقا ﷺ کے تحت رسالت ہے تو آپ کا تعلق عالم کے ہر ذرہ ذرہ سے ہے، جب میرے آقا ﷺ تمام عالموں کے رسول ہیں تو یہ آپ ﷺ کا ہر چیز کے ساتھ علمی اور عملی رابطہ قائم ہے۔ رسالت میں ارتباط ہے اور رابطہ قائم ہونا حضور ﷺ کے حاضر و ناظر اور تمام کائنات کے عالم ہونے کا مفہوم ہے اگر آپ کا تعلق عالم کے ہر ذرہ سے نہیں اور رابطہ نہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ آپ ﷺ عالمین کے کیسے رسول ہیں؟ ارے حضور ﷺ جس کی طرف رسول بن کر آئیں وہ تو رسول کو پہچانے عالم کی ہر چیز تو رسول کو پہچان لے اور حضور ﷺ کو پتا نہ ہو۔ (معاذ اللہ)

ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک گوہ لائی گئی، آپ ﷺ نے پوچھا میں کون ہوں، اس نے کہا:

انت رسول رب العلمین و خاتم النبیین

ارے گوہ تو حضور ﷺ کو پہچان گئی اور حضور ﷺ کو علم نہ ہو۔ امت کو تو علم ہو اور رسول کو علم نہ ہو۔ (نعوذ باللہ)

پس جب اٹھارہ ہزار عالم کے آپ ﷺ رسول ہیں تو اٹھارہ ہزار عالم کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو مصطفی ﷺ کے دامن میں نہ ہو۔ میں اپنے کلام کو سمیٹ کر اس کا یہ حصہ بیان کرتا ہوں کہ نبی کی نبوت اور رسالت ایک علمی اور عملی تعلق ہے۔ اگر رسول اپنے مرسل الیہ کے ساتھ علمی اور عملی تعلق نہ رکھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول نہیں ہے، حضور ﷺ چونکہ تمام عالموں کے لیے رسول ہیں، لہٰذا کائنات کا کوئی ذرہ نہیں کہ جس کو حضور ﷺ کی علمی اور عملی نسبت سے تعلق نہ ہو۔

علمی رابطہ سے مراد ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اپنی حقیقت میں حضور ﷺ کو پہچانتا ہے اور عملی رابطہ و نسبت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے وجود بقا میں حضور ﷺ کا محتاج ہے اگر حضور ﷺ کے نور مبارک (جو واسطہ تخلیق ہے) سے اس کا رابطہ کٹ جائے تو اس ذرہ کا وجود نیست ہو جائے۔ پس اب اگر زبان سے تو نبی اور رسول کہے جاؤ لیکن نبی اور رسول کے جو معنیٰ ہیں ان کو ذہن ہی میں نہ آنے دو اور اس سے بے خبر رہو تو یہ تو بالکل غلط ہے۔

ایک سوال

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ ہم نماز میں کہتے ہیں ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' اے اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا، سیدھی راہ دکھانے سے مراد ہدایت کرنا ہے اور سیدھی راہ دکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کے ہادی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا نبی ہدایت نہیں دے سکتا؟

بقیہ صفحہ نمبر 21 پر

یہ قدم قدم قیامت، یہ سوادِ کوئے جاناں

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

قارئین کرام!

آپ چشم تصور سے دیکھنے کی کوشش کریں کہ یورپی ثقافت اور طرز زندگی رکھنے والا چوبیس سالہ نوجوان اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کرتا ہے۔ مگر کیا ہوا۔ ہوائیں بدل گئیں۔ ایسے لگا کہ خوشگوار زندگی ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی ہو۔ پیار کرنے والی ماں ناراض ہو گئی۔ محبت کے داعی بہن بھائیوں نے قطع تعلق کر لیا۔ سخت اور شدید حالات بن گئے۔ شب و روز جن دوستوں کے ساتھ گزرتے تھے۔ انہوں نے منہ موڑ لیا۔ وہ تو ملاقات سے بھی گریزاں تھے۔ رہی سہی کسر دفتر والوں نے نکال دی۔ زیر تعلیم ہونے کے ساتھ ملازمت کرتا تھا۔ ملازمت سے تو فارغ نہ کیا مگر انتقامی اور امتیازی سلوک سے زندگی کو تلخ بنانے کی سعی کی گئی۔ ہر قسم کی مدد بند، کام کا غیر منصفانہ جائزہ لیا جاتا۔ گویا ہر طرف سے پریشانیوں نے اس کو گھیر لیا لیکن اس کو نے اپنے فیصلے کو بدلنے یا نظر ثانی کرنے کا کبھی نہ سوچا۔ آپ تصور کریں اس نوجوان کے لیے کتنے شدید حالات تھے۔۔۔ اس نوجوان کا قصور کیا تھا۔ اس نے کونسا ایسا جرم کر دیا کہ اس کی اپنی دنیا ہی اس سے روٹھ گئی۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے یورپی تہذیب وتمدن کو خیر باد کہنے اور اسلامی طرز حیات کو اپنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ فیصلہ ہی نہیں اس پر پوری دلجمعی اور ثابت قدمی سے عمل پیرا بھی ہوا۔ قبول اسلام کے عوامل کیا تھے اس کے مضمرات کیا تھے۔ اس کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی ہے۔ جب عزیز اقارب نے منہ موڑ لیا تو اس نے بھی پرانے تعلقات کو بالائے طاق رکھ دیا حتی کہ اپنا پرانا نام بھی لینا پسند نہ کیا، یہ اسلام کا مجاہد انجینئر سالم احمد ہے جو اس وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ جب وہ یونیورسٹی کا طالبعلم تھا اور عمر تھی چوبیس سال۔ آئیے ان سے گفتگو کرتے ہیں۔

۞ آپ کے قبول اسلام کا قصہ کیا ہے؟

میرے قبول اسلام کا قصہ یوں ہے کہ اسلام کی روشنی مجھ تک پہنچی اور اللہ نے میری مدد فرمائی۔ میرا تعلق انگلینڈ کے اس حصہ سے ہے جہاں کوئی مسلمان نہیں اور جب میں کیمیکل انجینئرنگ کی تعلیم کے لیے یونیورسٹی گیا تو وہاں پہلی دفعہ میری مسلمان طلبا سے ملاقات ہوئی۔ ان کے اخلاق و کردار نے مجھے بہت متاثر کیا اور پھر ان کی اسلامی تعلیمات مجھے کشاں کشاں اسلام کی جانب لے آئیں۔

۞ کیا آپ نے قبول اسلام سے قبل مختلف مذاہب کا تقابلی جائزہ لیا تھا؟

میرے سوالات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے لکھا:

میرا خیال ہے کہ مجھے آپ کے سوالات کا جواب دینے کے لیے طوالت سے لکھنا ہوگا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اس میں وقت لگے گا اور میں کل وقتی کام کر رہا ہوں لہٰذا مجھے کئی ای میلز میں تحریر کرنا ہوگا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا تھا۔ میں نے اپنے والدین کے مذہب یعنی عیسائیت سے شروعات کی۔ میں نے بائیبل میں بہت سے تضادات پائے اور یہ بھی پایا کہ عیسائیت کے طور پر پیش کردہ نظریہ بائیبل میں موجود ہی نہیں ہے۔ کچھ مخلص عیسائی ضرور تھے لیکن وہ ایک ایسے مذہب کی پیروی کر رہے تھے جو عیسائیت کے اصل عقائد سے ہرگز مطابقت نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک بگڑی ہوئی شکل تھی۔

میں نے یہودیت، بدھ مت اور ہندومت کو بھی دیکھا۔ میں ہندومت کی پریزنٹیشنز (Presentations) کے لیے بھی گیا اور دو تین بار لندن میں بدھ مت کے مرکز کا بھی دورہ کیا۔ میں نے ان مذاہب کے پیروکاروں سے سیر حاصل گفتگو کی۔

سچ پوچھیں تو، اگرچہ عیسائیت اور یہودیت میں کچھ سچائی نظر آتی تھی لیکن ان میں بہت زیادہ الجھنیں تھیں اور خالص اور مکمل یہ کہیں نظر نہیں آیا۔

۞ یونیورسٹی میں مسلم طلبا کے اخلاق و کردار سے آپ متاثر ہوئے۔ قبول اسلام کا اہم موڑ کیا تھا؟

میرے خیال میں ہر شخص اور خاص طور پر نوجوان لوگوں میں سچائی جاننے کی خواہش ہوتی ہے تاکہ کوئی ایسا راستہ یا فلسفہ تلاش کیا جا سکے جو درست ہو اور میں بھی ایسا ہی نوجوان تھا جو سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

بلاشبہ جب مجھے پہلی بار اسلام کے بارے میں آگاہی ہوئی تو اس وقت میں یونیورسٹی میں سال اول کا طالب علم تھا میں نے اسے فوری طور پر قبول نہیں کیا۔ معقول سی بات ہے کہ ایک تحقیقی ذہن اپنے سامنے رکھی چیزوں کا جائزہ لے اور اس کو بھرپور انداز میں پرکھے۔ کسی بھی دعویٰ کو جانچنا چاہیے کہ آیا کہ پیش کرنے والا وہ خود اور اس کا دعویٰ تعلیم کے کس قدر مطابق ہے۔ پھر ہمارے تجربات زندگی کے مطابق جو سچائی ہے یہ اس کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے بلاشبہ، تجربہ کسی حد تک ذاتی ہوتا ہے لیکن پھر بھی آپ عام طور پر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آیا کوئی آپ کو فریب دے رہا ہے یا دھوکہ دہی کر رہا ہے۔

۞ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان طلبا کے افعال و کردار میں کیا کچھ آپ کو نظر آیا۔ جس نے اسلام کی جانب آپ کی رہنمائی کی؟

وہ چند نکات جن سے میں قائل ہوا وہ تھے:

1۔ مسلمان طلباء کا واضح اخلاص۔ اگرچہ وہ عملی طور پر بہت مضبوط نہ تھے لیکن میں بتا سکتا تھا کہ وہ واقعی بھرپور ایمان اور یقین رکھتے تھے۔ اگر کسی مذہب کے ماننے والے واقعی اس پر کامل یقین نہیں رکھتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سچ نہیں ہے۔

2۔ انہی طلباء نے اسلام کے مطابق اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی کی۔ یہ پوائنٹ 1 کی طرح ہے، لیکن اگر

آپ کو دنیا میں تمام آزادی ہے اور آپ خدا کے خوف سے کچھ کام نہیں کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ عقیدہ میں صادق ہیں۔

3۔ میں نے صحیح اور غلط کے بارے میں کچھ معیار بنائے تھے لہٰذا میرے نزدیک کچھ اعمال غلط تھے اگرچہ لوگ ان کو درست سمجھتے تھے۔۔مثال کے طور پر زیادہ تر لوگ اپنے آجر سے ناجائز فائدہ اٹھانا، دفتر کا سامان اچک لینا، دفتری اوقات کم گھنٹے کام کرنا، غیر معقول اخراجات کا دعویٰ کرنا۔ میں جانتا تھا کہ یہ غلط تھا حالانکہ سب نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے اور میں نے دیکھا کہ اسلام ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دیتا اس امر نے بھی مجھے سوچنے پر مجبور کیا کہ اسلام صحیح ہوسکتا ہے۔اس نکتے کی بہت سی اور بہت سی مثالیں ہیں۔

4۔ میں نے بار بار سوالات کیے کہ اسلام نے کچھ چیزیں کیوں کرنے کا حکم دیا اور کچھ سے کیوں منع کیا اور مجھے ہر سوال کا تسلی بخش جواب ملا اور اس انداز میں وقت گزرتا رہا اور مجھ پر اسلام کی حقانیت آشکار ہوتی گئی۔

5۔ اسلام خالص عقائد پر یقین رکھتا ہے جو پاکیزہ روح سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ جاننے کا مطلب تھا کہ اسلام سچا دین ہے۔

6۔ اسلام کو ہر طرح پرکھنے اور جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس میں کوئی کمزوری نہیں تھی۔

7۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں بہت سے کمزور نکات تھے۔ آپ کے باقی سوالات کے جوابات کسی اور وقت پر دوں گا۔

۞ قبول اسلام سے قبل کیا آپ مذہبی تھے یا لادین۔اپنی اس زندگی کے حوالے سے کچھ بتانا چاہیں گے؟

اسلام سے پہلے میری حالت مختلف تھی۔ عام طور پر، میں کہوں گا کہ میں ایک عام انگریز شخص تھا۔ اگر پوچھا جائے تو میں شاید کہوں گا کہ میں ایک عیسائی تھا یا جیسا کہ ہم انگلینڈ میں کہتے ہیں، سی آف ای، جس کا مطلب چرچ آف انگلینڈ ہے۔ C کا E پروٹسٹنٹ عقیدہ ہے جو کہ انگلینڈ میں رائج ہے۔

میں بہت کم ہی چرچ جاتا تھا سال میں ایک یا دو بار، عام طور پر شادیوں، مسیحی تربیتی نشستوں اور جنازوں کے لیے۔ جب میں بچہ تھا تو میں زیادہ کثرت سے گرجا گھر جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے سنڈے اسکول میں بھی تعلیم حاصل کی جو اسلامی مدرسے کے برابر ہے۔ جب میں 17 یا 18 سال کا تھا میں ایک سنجیدہ مسیحی تھا اور بائبل کے مطالعہ کی کلاسوں میں شرکت کرتا تھا۔لہٰذا آپ مجموعی طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ میں ایک ثقافتی عیسائی تھا۔ میرے والدین کو مذہب کی زیادہ پرواہ نہیں تھی اس لیے میں نے ان کی ہی پیروی کی۔ میں نے اسکول میں جو مذہب کی تعلیم حاصل کی اس کا مجھ پر کوئی بڑا اثر نہیں ہوا۔ میں نے اسے زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا۔

پھر ایک ایسا دور بھی آیا جب میں نے کہا کہ میرا کوئی مذہب نہیں ہے اور میں خدا پر یقین نہیں رکھتا ہوں۔

میرا ایمان انتہائی کمزور اور ناکارہ تھا۔

میں نے غیر مذہبی زندگی گزاری۔ میں نائٹ کلبوں میں گیا، شراب، سگریٹ پیا اور میری گرل فرینڈز تھیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں حد سے زیادہ بدکار یا بداخلاق تھا لیکن یقیناً میں مسلمان نہیں تھا اور تقویٰ اور خدا کو سنجیدگی سے نہیں لیتا تھا۔

۞ یہ قدم قدم قیامت یہ سوا د کوئے جاناں ۔۔۔۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد عزیز و اقارب کے رویے کیسے تھے؟

اللہ اکبر۔ مجھے بتاتے ہوئے بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ میرے مسلمان ہونے سے پانچ سال پہلے میرے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ قبول اسلام سے تقریباً ایک ماہ قبل میں اپنی پہلی ملازمت کے لیے لندن چلا گیا تھا اس لیے میں کرائے کی رہائش میں رہ رہا تھا۔ میں 24 سال کا تھا تو بچہ نہیں تھا۔ جب میں نے انہیں فون کیا تو میرے گھر والے مجھ پر سخت برہم ہوئے، پھر تو انہوں نے میرا فون اٹھانے سے انکار کردیا۔ میرے لیے حالات بڑے کٹھن تھے۔

میری ماں، بھائی اور بہن کو میرا مذہب تبدیل کرنا پسند نہیں تھا اور یہ وقت انتہائی تکلیف دہ تھا۔ کافی وقت گزرنے کے بعد کچھ مخاصمت اور نفرت میں کمی ہوئی، لیکن حقیقتاً ختم نہیں ہوئی۔ میرے مذہب تبدیل کرنے کے بعد میرے دوستوں نے بڑی حد تک مجھے چھوڑ دیا۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے یہ آزمائشوں میں سے ایک ہے۔ اس قسم کی بہت سی مشکلات درپیش ہوئیں۔ ملازمت میں مجھے اپنے آجروں کی طرف سے بھی ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا ملازمت کے سلسلہ میں امتیازی رویہ اختیار کیا گیا میرے کام کا غیر منصفانہ جائزہ۔ دوران تربیت ہر قسم کی مدد اور حمائت نہ کرنا ایسے امور تھے۔ جو میرے لیے مشکلات میں اضافہ کررہے تھے۔

لیکن اب یہ بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ میں اب اپنے مذہب میں بہت مضبوط ہوں اور کسی قسم کا امتیازی سلوک قبول نہیں کرتا۔

۞ حلقہ بگوش اسلام کے بعد دینی تعلیم کیسے حاصل کی؟

ایک مشکل اسلامی علم کا ایک اچھا ذریعہ تلاش کرنا تھا۔ بہت سارے گروپس ہیں ہر کسی کا دعویٰ ہے کہ وہی ٹھیک ہے اور میرے لیے یہ بھی مسئلہ تھا کہ ہر مسلمان اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی تعلیم دے سکے کہنے کو تو کہتے ہیں کہ وہ سکھا سکتے ہیں۔ یہاں کچھ تنظیمیں تھیں جو مسلمانوں کو ان کے مذہب کے بارے میں جاننے میں مدد کرتی تھیں۔ احمد دیدات کی تنظیم ایک تھی۔ جو کتب دستیاب ہوئیں اچھی تھیں۔ آج کل برطانیہ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں بہت سارے اسلامی اشاعتی ادارے قائم ہیں۔

جہاں تک دینی تعلیم و تربیت کا تعلق ہے میں باقاعدگی سے مسجد جاتا تھا اور وہاں منعقد ہونے والی کلاسوں میں بھی شرکت کرتا تھا۔ میرے چند ایک اچھے دوست بن گئے تھے۔ جن کی وجہ میں اکیلا محسوس نہیں کرتا تھا۔

۞ اپنی شادی اور بچوں کے بارے میں کچھ بتائیں؟

قبول اسلام کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد میں نے شادی کی۔ زوجہ محترمہ یہاں لندن میں پیدا ہوئی تھیں اس کے والدین مورشیئن تھے۔ وہ بہت ہی متقی اور نیک خاتون ہے۔ اس شادی نے میری بہت مدد کی۔ الحمدللہ میری بیوی اور بچے باعمل مسلمان ہیں۔ بلاشبہ، ہر کسی کی طرح ہمارے ہاں بھی وقتاً فوقتاً چھوٹے مسائل ہوتے ہیں، لیکن عام طور پر خاندانی زندگی بہت مضبوط اور اچھی ہے۔

۞ بحثیت مسلمان کیا آپ نے تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور کتنے لوگوں کو دین مبین کے حلقہ میں داخل ہونے میں مدد کی؟

میں گزشتہ 30 سالوں میں کئی شکلوں میں دعوت دین میں شامل رہا ہوں۔ میں نے ہائی سٹریٹ میں بھی ایک مقام مخصوص کیے رکھا اور لوگوں کو اسلام کی زریں تعلیمات سے آگاہ کرتا تھا۔ میں نے کتابیں بھی لکھی ہیں اور عوامی سطح پر بہت سے لیکچر بھی دیے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 27 پر

آمدِ رسول ﷺ اور حلیمہ سعدیہ

آصف بلال آصف

صبح صادق کا وقت ہے۔

پیر کا دن ہے۔

صبح کی ٹھنڈک، ہوا میں مستی کی طرح گھلی ہوئی ہے۔

ہر چیز تازہ دم ہے۔

پرندے چہچہا رہے ہیں۔

روشنی اندھیرے کو مٹا رہی ہے۔

سورج اپنی چمک سے دنیا کو روشن کرنے کے لیے تیار ہے۔

کائنات ایک نئے دن کی ابتداء کرنے کو ہے۔

قدرت نسلِ آدم پر مہربان ہو چکی ہے۔

عرب میں بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے۔

ہر چیز کھلی کھلی سی ہے۔

کلیاں پھول بن رہی ہیں۔

ہر درخت سرسبز ہو چکا ہے۔

ہر شے خوبصورتی اور تازگی کا احساس دے رہی ہے۔

بہار کا پہلا مہینہ ربیع الاول اپنے 11 دن گزار چکا ہے۔

یہ بارہویں دن کی صبح ہے۔

اپریل کی 22 تاریخ اور سال 571 عیسوی ہے۔

کعبہ کو تباہ کرنے کے ارادے سے آنے والے ہاتھیوں اور گمراہوں کی فوج کے انجام کو 55 دن گزر چکے ہیں۔

شفا بنت عوف اور فاطمہ بنت عبداللہ، سیدہ آمنہ کے پاس موجود ہیں۔

بنی ہاشم کا سارا خاندان دعائیں مانگ رہا ہے۔

سب اس خوشخبری کے انتظار میں ہیں کہ سیدہ آمنہ کے گھر اولاد ہوگی۔

''عبداللہ کی اولاد''

وہ عبداللہ جو سب کا پیارا تھا۔

وہ عبداللہ جو اپنے زمانے کا یوسف تھا۔

وہ عبداللہ جس کی خاطر عبدالمطلب نے 100 اونٹ قربان کیے تھے۔

وہ عبداللہ جو جوانی میں سب کو چھوڑ کر اپنے رب کے پاس چلا گیا۔

اتنی دعائیں تو عبدالمطب نے اپنی کسی اولاد کے لیے نہیں مانگی تھیں۔

عبداللہ کی والدہ فاطمہ بنتِ عمرو کی دعائیں سانسوں کے ساتھ چل رہی تھیں۔

''۔۔۔آمنہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو سمجھوں گی کہ ''عبداللہ مل گیا۔۔۔''

ہر طرف خوشبو ہی خوشبو پھیل گئی۔۔۔۔

اس قدر روشنی پھیلی کہ دور تک دیکھا گیا۔۔۔۔

اللہ نے اپنا محبوب ﷺ اس کائنات میں اُتار دیا۔۔۔۔

ہر طرف یہی آوازیں ہیں۔۔۔۔

مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو۔۔۔۔

سیدہ آمنہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے۔۔۔۔

بنی ہاشم کو جتنی خوشی اس بیٹے کے پیدا ہونے کی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔۔۔۔ عبدالمطلب کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی ان کو ایسے لگ رہا تھا جیسے ان کی جوانی واپس لوٹ آئی ہو انہوں نے اپنے مبارک پوتے کو گود میں لیا، ماتھا چوما اور سینے سے لگا لیا۔

اس قدر خوبصورت بچہ۔۔۔۔ یقیناً یہ بڑے نصیب والا ہو گا۔۔۔۔ وہ پیار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔۔۔۔

عبدالمطلب نے قریش کو ایک بڑی دعوت دی۔۔۔۔ تمام اہلِ قریش ضیافت کا مزہ لے رہے تھے۔۔۔۔ عبدالمطلب ہر کسی سے مبارک باد وصول کر رہے تھے۔

بنی ہاشم کے سردار نے اپنے عظیم پوتے کو اپنی گود میں لیا اور اس کا نام ''محمد ﷺ'' رکھا۔

قریشی سردار بولے:

یہ تو ہمارے خاندانی ناموں سے مختلف ہے۔

عبدالمطلب نے فرمایا۔۔۔ ''مجھے یقین ہے کہ میرا پوتا بڑی عزت پائے گا اور دنیا جہان میں اس کی تعریف کی جائے گی اس لیے میں نے اس کا نام محمد ﷺ (تعریف کیا جانے والا) رکھا ہے۔

مکہ کے رئیس اور شرفا اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے معاوضہ پر دائیاں رکھتے تھے۔۔۔۔ وہ اپنے بیٹوں کو ان خواتین کے حوالے کر دیتے تھے جو انہیں اپنے گاؤں لے جاتی تھیں۔۔۔۔ دیہات کی آب و ہوا ان بچوں کے لیے فائدہ مند ہوتی اور وہیں ان بچوں کو خالص عربی سیکھنے کا موقع بھی مل جاتا۔۔۔۔

جس طرح عرب کے رئیس اپنے بچوں کے لیے دایہ ڈھونڈتے تھے۔ اسی طرح دیہات کی خواتین (دائیاں) بھی ہر سال مکہ آتی رہتی تھیں کہ کوئی بچہ مل جائے تو انہیں پیسوں کی صورت میں خوشحالی ملے۔۔۔۔ بنی ہوازن کی شاخ بنی سعد کی دس عورتیں اس غرض سے اپریل 571 عیسوی کے آخری دنوں میں مکہ آئیں۔۔۔۔

اس قبیلے کی خواتین رضاعت کے لیے اچھی شہرت رکھتی تھیں۔۔۔۔ حلیمہ بنت ابوذ ہیب انہیں عورتوں میں سے ایک تھیں جو مکہ آئیں۔۔۔۔

بنی سعد قبیلے کی زندگی انتہائی سادہ ترین تھی۔۔۔۔ بچے سارا دن چراگاہوں میں بھیڑ بکریوں کی نگرانی کرنے اور آپس میں کھیلنے کودنے میں گزارتے تھے۔۔۔۔

عورتیں کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرتیں اور فارغ وقت میں دھاگہ کاتتی تھیں۔۔۔۔ یہ لوگ کھجور اور دودھ پر گزارا کرتے تھے۔۔۔۔ بعض اوقات لوگوں کو سبزیاں اور گوشت بھی مل جاتا تھا۔۔۔۔ حلیمہ سعدیہ کے گھر کے قریب ایک کنواں تھا (غالباً رسول کریم ﷺ اسی کنویں سے پانی پیتے ہوں گے)

حلیمہ سعدیہ کی گود میں اس کا بیٹا تھا جو دودھ نہ ملنے کی وجہ سے ساری رات روتا رہتا تھا۔۔۔۔۔دونوں میاں بیوی اسی وجہ سے سو نہیں پاتے تھے۔۔۔۔۔حلیمہ سعدیہ کا دودھ ان کے اپنے بیٹے کے لیے بھی کافی نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔ان کی اونٹنی اتنا دودھ نہیں دیتی تھی کہ گھر کے سارے افراد اپنی بھوک مٹا سکیں۔۔۔۔۔

خشک سالی اپنے عروج پر تھی۔۔۔۔حلیمہ سعدیہ خود فرماتی ہیں۔۔۔۔۔''ہمارے علاقے سے زیادہ خشک سالی شاید خدا کی زمین پر کہیں نہیں ہے''۔

بنی سعد کی عورتیں عام الفیل یعنی 571 عیسوی میں مکہ آئیں اس سال اللہ کی رحمت سے پورے مکہ میں صرف لڑکے ہی پیدا ہوئے تھے۔حلیمہ سعدیہ بنی عبدالمطلب کے گھر میں آئیں تو پتہ چلا کہ عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا ہے۔۔۔۔۔حلیمہ سوچنے لگیں کہ یتیم بچے کو لے کر جاؤں گی تو شاید دنیاوی اعتبار سے اچھی خدمت (معاوضہ) نہ ملے۔۔۔۔۔اس لیے حلیمہ سعدیہ دوسرے کئی گھروں میں بھی گئیں لیکن وہاں سے عورتیں پہلے ہی بچوں کو لے جا چکی تھیں۔۔۔۔۔اور کئی گھروں نے حلیمہ کو اس لیے بھی بچہ نہ دیا کہ کوئی ماں حلیمہ کی صحت اور کمزور حالت کو دیکھ کر اپنا بچہ حلیمہ کو دینے کے لیے رضامند ہی نہ ہوئی۔۔۔۔۔

حلیمہ کو کیا پتہ تھا کہ یہی کمزوری اس کی خوش نصیبی بننے والی تھی۔

حلیمہ مایوسی کے عالم میں پریشان ہو کر اپنے شوہر کو کہنے لگی۔۔۔۔۔

''خدا کی قسم میں خالی ہاتھ گاؤں واپس نہیں جاؤں گی''

حلیمہ کے شوہر نے مشورہ دیا کہ ہم عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے کو ہی لے آتے ہیں۔

حلیمہ سعدیہ اور ان کا شوہر حارث سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔۔۔ان کی ملاقات بچے کے دادا سے ہوئی۔۔۔۔۔

حضرت عبدالمطلب نے دایہ سے پوچھا۔۔۔۔تمہارا نام کیا ہے۔۔۔۔؟

جواب ملا۔۔۔۔حلیمہ سعدیہ۔

عبدالمطلب نے کہا۔۔۔۔واہ واہ

حلیمہ (نرم) بھی اور سعدیہ (خوش قسمت) بھی۔۔۔۔۔

یہ دونوں خوبیاں ایک جگہ۔۔۔۔۔کمال ہے۔۔۔۔۔

سیدہ آمنہ اپنے بیٹے کو حلیمہ کے پاس لے کر آئیں۔

پیارا بیٹا اس وقت سو رہا تھا۔۔۔۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں۔۔۔۔۔''میں نے بچے کو گود میں لیا اور منہ سے چادر ہٹائی تو میں اس کی خوبصورتی پر فدا ہو گئی۔۔۔۔۔اتنا پیارا بچہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا میرا جی چاہتا تھا کہ میں دیکھتی جاؤں''۔

حلیمہ سعدیہ نے بچے کے ماتھے پر بوسہ دیا۔۔۔۔۔

سمجھا نہیں ہنوز میرا عشق بے ثبات

تو کائناتِ حسن ہے یا حسنِ کائنات

سیدہ آمنہ نے بیٹے کو حلیمہ سعدیہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ۔۔۔۔۔

''میں اپنے بیٹے کو اس شر سے جو پہاڑوں پر واقع ہو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں یہاں تک کہ میں اسے اُونٹ پر سوار دیکھوں۔میں دیکھ لوں کہ یہ غلاموں اور غریبوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہو''۔

بچہ لینے کے بعد حلیمہ سعدیہ واپس اپنے خیمے میں آ گئیں۔۔۔۔۔آپ فرماتی ہیں۔۔۔۔۔''میں نے قریشی بچے کو دودھ پلایا تو اپنے اندر غیر معمولی تبدیلی دیکھی کمزوری کی وجہ سے میرے بیٹے کے لیے بھی دودھ کافی نہ تھا۔۔۔۔۔اب دونوں بچوں نے اپنی بھوک کے مطابق دودھ پیا میرے لیے یہ ایک خوشگوار حیرت تھی۔۔۔۔

جب حارث دودھ دوہنے گئے تو اونٹنی نے بھی خوب دودھ دیا۔۔۔۔۔وہی اونٹنی جس کا دودھ خشک تھا ایک لمحہ میں بدل گئی۔۔۔۔۔میں نے اور حارث نے دودھ پی کر اپنی بھوک اور پیاس بجھائی۔۔۔۔۔ایک مدت کے بعد ہمارا پیٹ بھرا اور ہم سکون کی نیند سوئے۔۔۔۔۔

اب ہمیں اندازہ ہونا شروع ہو گیا کہ ہم غیر معمولی بچہ لے کر آئے ہیں۔۔۔۔۔واپسی کا سفر بالکل ہی مختلف تھا حلیمہ کا وہ کمزور خچر جو مکہ جاتے ہوئے سب سے پیچھے رہ گیا تھا اب کوئی دوسری سواری اس کے برابر نہیں تھی۔۔۔۔۔سب حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے۔۔۔۔۔سب لوگ حلیمہ سے پوچھ رہے تھے۔

حلیمہ کیا تو نے خچر نیا خریدا ہے۔۔۔۔۔مکہ جاتے ہوئے تو اس سے چلنا مشکل تھا اب اسے پکڑنا مشکل ہے۔۔۔۔۔

رسول پاک ﷺ کے آنے سے حلیمہ کے گھر میں جیسے بہار آ گئی تھی حلیمہ سعدیہ کا کہنا ہے کہ خشک سالی میں بھی میری بکریاں خوب دودھ دیتی تھیں سارے گاؤں کے جانور خشک سالی کا شکار تھے جب کہ میرے جانور دن بدن بہتر ہوتے جا رہے تھے۔۔۔۔۔تمام لوگ اپنے چرواہوں کو ہدایت کرتے کہ وہ بھی اپنے جانور اسی چراگاہ میں لے کر جائیں جہاں حلیمہ سعدیہ کی بھیڑ بکریاں چرتی تھیں۔۔۔۔۔

بھلا وہ کیا جانتے تھے کہ فرق چراگاہ کا نہیں فرق تو وہ خوش نصیبی ہے جو حلیمہ سعدیہ کے حصے میں آئی تھی۔۔۔۔۔

حلیمہ سعدیہ اپنی یادوں کے پُر اثر حصار میں رہتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں محمد ﷺ کا بہت خیال رکھتی تھی۔۔۔۔۔انہیں کہیں دور جانے نہیں دیتی تھی ایک روز میرا دھیان نہ رہا اور میری بیٹی شیما اپنے رضاعی بھائی کو تپتی دوپہر میں بکریوں کے ریوڑ کے پاس لے گئی۔۔۔۔۔میں تلاش میں نکلی اور وہاں پہنچی اور شیما کو ڈانٹنے لگی۔۔۔۔۔

''اس قدر تپش میں تم چھوٹے سے بچے کو ساتھ لے کر اتنی دور آ گئی ہو اگر یہ بیمار پڑ گیا تو''۔۔۔۔۔؟

شیما نے جواب دیا۔۔۔۔۔''اماں جان تپش کیسی''۔۔۔۔۔بادل کا ایک ٹکڑا میرے بھائی پر مستقل سایہ کیے ہوئے ہے۔ہم جہاں جہاں جاتے ہیں یہ ہمارے ساتھ ساتھ جاتا ہے''۔۔۔۔۔

حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں ''محمد ﷺ جتنا عرصہ میرے پاس رہے کبھی بستر گندہ کیا نہ ہی کبھی ان کے کپڑے خراب ہوئے ان کی پاکیزگی بہت اعلیٰ تھی۔۔۔۔۔

سارا گاؤں ہی محمد ﷺ کا دیوانہ تھا۔۔۔۔۔اگر کسی کو کوئی جسمانی تکلیف ہوتی تو وہ محمد ﷺ کی ہتھیلی تکلیف والی جگہ پر لگاتا اور اللہ کے حکم سے فوراً شفاء پاتا۔۔۔۔۔

انسان ہی نہیں جانور بھی اس رحمت سے محروم نہ رہے۔۔۔۔۔اگر کوئی جانور بیمار پڑ جاتا تو اسے محمد ﷺ کے پاس لاتے اور آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ اس جانور پر پھیرتے تو وہ جانور ٹھیک ہو جاتا۔۔۔۔۔ایک دن میں محمد ﷺ کو گود میں لیے بیٹھی تھی کہ بکریوں کا ریوڑ گزرا۔۔۔۔۔ایک بکری ریوڑ سے علیحدہ ہوئی۔۔۔۔۔قریب آئی۔۔۔۔۔محمد ﷺ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔۔۔۔۔اور واپس بکریوں میں شامل ہو گئی۔۔۔۔۔

سارے گاؤں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قریشی بچہ غیر

معمولی ہے۔۔۔۔۔

محمد ﷺ کا چہرہ بہت روشن تھا۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کی موجودگی رنگ و نور کی برسات تھی۔۔۔۔۔

آپ ﷺ کا وجودِ مبارک خوشبوؤں کی آماجگاہ تھا۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر اس دنیا میں معبوث فرمایا ہے۔۔۔۔۔

بقیہ: مفہوم نبوت و رسالت

اس شبہ کے متعلق عرض ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھاتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے ذریعے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ" (الرعد:۷)

"یعنی ہر قوم کے لیے ہادی ہوتا ہے"۔

یہاں ہادی سے مراد نبی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَتَھۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (الشوریٰ:۵۲)

"یعنی میرے حبیب بلا شبہ سیدھے راستے کی طرف تو تو ہی ہدایت کرتا ہے"

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ کا مفہوم

اب آپ کہیں گے کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کا کیا مطلب ہے کہ

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (القصص:۵۶)

"اے حبیب! تو جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا، اللہ جسے چاہے ہدایت دے"۔

ارے بھائی یہ بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر بھی کوئی نبی کچھ کرسکتا ہے؟ یہ تو ہزاروں مرتبہ ہم نے بتایا کہ نبی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اذن کے بغیر نہیں کرتا، نبی جب کوئی ہدایت کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہو کر کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرے گا تو کسی کی مشیت کے ماتحت ہوئے بغیر ہدایت فرمائے گا۔

پس آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ میں کسی کی مشیت کے بغیر کسی کو ہدایت دے سکتا ہوں لیکن اے نبی تو میری مشیت کے ساتھ ہدایت کرے گا اور اگر میری مشیت نہ ہو تو ہدایت نہیں کرسکتا۔ اب اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہ اس آیت کا انکار کر رہا ہے جس میں فرمایا:

اِنَّکَ لَتَھۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ

یعنی تحقیق بلا شبہ میرے حبیب لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت تو ہی کرتا ہے ارے اللہ تعالیٰ تو اتنی تحقیق کے ساتھ فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تحقیق پر جسے یقین اور اعتبار نہ ہو تو اسے میری بات پر کیا یقین ہو گا لہٰذا اس آیت کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ میرے پیارے حبیب ﷺ میری ہدایت میری مشیت کے تحت ہے اب ایک بات اہل علم کے لیے کہے دیتا ہوں کہ ہدایت کا لفظ جب قرآن و حدیث میں استعمال ہو تو اہل سنت کے نزدیک اس کے حقیقی اور شرعی معنیٰ "خلق الاھتدا" یعنی ہدایت کو خلق کرنے کے ہیں اور فرقہ معتزلہ کے نزدیک اس کے معنیٰ ہیں "بیان الطریق الصواب" یعنی ٹھیک راستہ بتا دینا، تو اس لحاظ سے معتزلہ "لِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ" کا مطلب لیتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے سیدھا راستہ بتانے والا۔

ہم اہلسنّت کہتے ہیں کہ یہ معنی بھی ٹھیک ہیں، مگر یہی معنیٰ کیے جائیں تو آیت "اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ" کے معنیٰ ہوں گے کہ اے نبی تو جس کو محبوب رکھے اس کے سامنے صحیح راستہ بیان نہیں کرسکتا، ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے صحیح راستہ بیان کردے تو یہ آیت معتزلہ کے ان معنیٰ (لِکُلِّ قَوۡمٍ ھَادٍ) یعنی ہر قوم کے لیے سیدھا بتانے والا، کو رد کرتی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کام تو صحیح راستہ بتانا ہی ہے، جس کی یہاں نفی ہو رہی ہے تو ثابت ہوا کہ اہلسنّت کے معنیٰ درست ہیں۔

"خلق الاھتداء" اہل سنت کا عقیدہ ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے نبی تو ہدایت کی صفت خلق نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے خلق کردے" پس معلوم ہوا کہ خلق کرنا حضور نبی کریم ﷺ کی صفت نہیں، یعنی ہدایت کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس کو چلانا حضور ﷺ کا کام ہے جو کام حضور ﷺ کا نہیں اس کے نہ کرنے سے نہ تو حضور ﷺ کے علم میں کمی آئے گی، نہ اختیارات میں اور نہ مرتبہ میں، حضور ﷺ کا کام تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر لوگوں کو چلانا ہے اب اگر کوئی اعتراض کرتا ہے کہ فلاں شخص کو حضور ﷺ نے ہدایت نہ دی تو یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر کرے کہ اے اللہ تو نے ان کو ہدایت کیوں نہیں دی تو تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ارے بھائی جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے ہدایت خلق ہی نہیں فرمائی، تو حضور ﷺ پر کیسے اعتراض آئے گا کہ آپ نے ان کو ہدایت نہ دی۔ حضور ﷺ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی کام کسی کی مشیت کے ماتحت نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ (الدھر:۳۰)

"اور تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے"۔

آیت "اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ" کے معنیٰ نہیں کہ حضور ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے اگر حضور ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے تو آیت "ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی" یعنی وہ وہی ہے بھیجا جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ، کے کیا معنیٰ ہوں گے؟

"اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ خالق کائنات میں ہوں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا میں ہوں، عدم سے وجود میں لانے والا میں ہوں، ایجاد میری صفت ہے، موجد میں ہوں، اس لیے "خلق الاھتداء" یعنی ہدایت پیدا کرنا میری شان ہے، جس کے لیے میں نے اھتداء کو پیدا کردیا، اس کے لیے "اھتداء" کو جاری کرنے والا تو ہے، اس کا معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ آپ ﷺ ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "انک لا تخلق الاھتداء" یعنی بے شک آپ ہدایت خلق نہیں کرتے "خلق الاھتداء" حضور ﷺ کا کام نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ جن کے لیے میں نے علم ازلی کے مطابق ہدایت پیدا نہیں کی، ان کو میں ہدایت نہیں دوں گا، کیونکہ میرے علم کے خلاف کوئی ظہور ممکن نہیں، بتایئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ہو، کیا وہ ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں ہوسکتی تو جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو پیدا نہیں فرمایا، ان میں ہدایت کی استعداد نہ تھی، تو اب بتایئے کہ ان لوگوں کو ہدایت نہ ملنے کا الزام حضور ﷺ پر کیسے آسکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

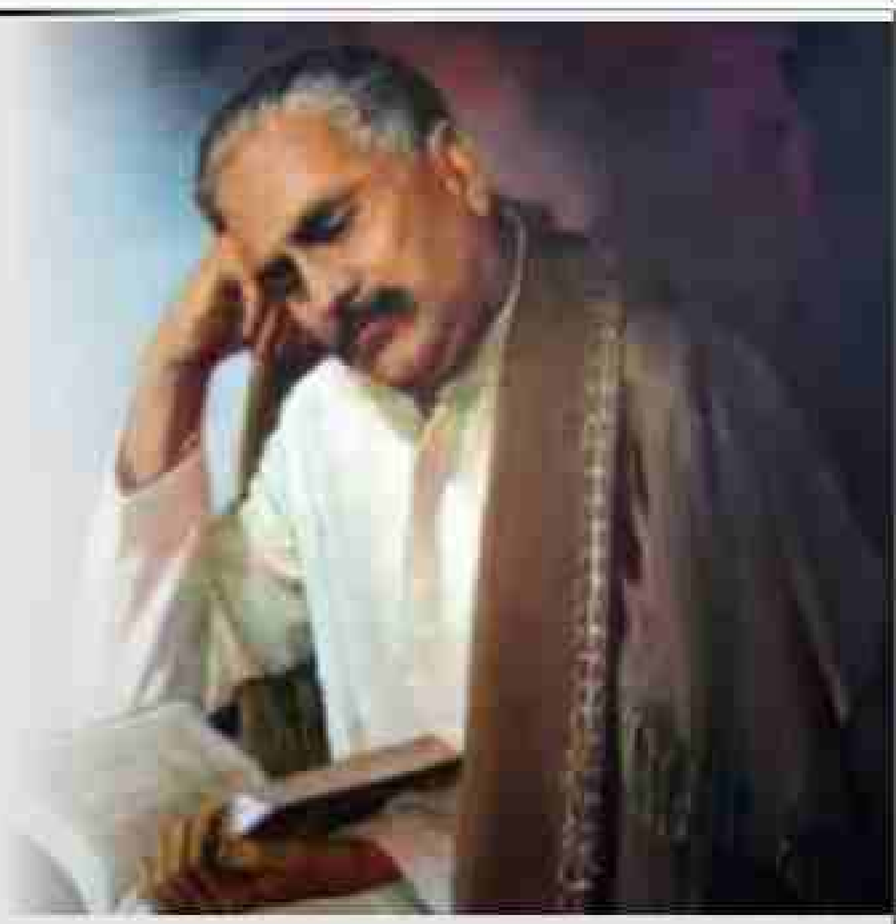

اقبال اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر منظور حسین اختر

حضرت مفکر اسلام مفسر قرآن پیر سید ریاض حسین شاہ جی نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ علامہ اقبال کی شاعری میں ڈانٹ ہے یعنی علامہ اقبال نے قوم کو سمجھایا ہے کہ کس طرح مسلمان اپنی کھویا ہوا مقام و مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اقبال مسلمانوں کی ابتری کی وجہ وحید رسول اللہ کی ذات سے دوری سمجھتے ہیں اور یہی آپ کی شاعری کا سبق ہے۔ شکوہ و جواب شکوہ کا آخری شعر جس میں سارے کلام کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، قوم کو یہی سبق دیتا ہے:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ اقبال کی شاعری کا مرکز و محور عشق رسول ﷺ ہے۔ انہوں نے نہ صرف عشق رسول کا درس دیا بلکہ آپ خود بھی سچے اور پکے عاشق رسول ﷺ ہیں۔

علامہ اقبال عملی زندگی میں سیرت رسول ﷺ اور احکام رسول ﷺ پر عمل پیرا رہے۔ اتباع رسول ﷺ عشق رسول ﷺ کا تقاضا ہے، ایک عاشق رسول ﷺ جان بوجھ کر کبھی بھی احکامات نبوی کی روگردانی نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے اقبال اپنی عملی زندگی میں اتباع رسول ﷺ کا نمونہ نظر آتے ہیں۔ ایک واقعہ اس کا شاہد ہے:

ایک دفعہ ان کو درد گردہ کی شدید تکلیف ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے نہ معلوم کس بنا پر کھانے کے بعد "برانڈی کا ایک پیگ" بطور دوا تجویز کیا لیکن حضرت علامہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: "قیام یورپ کے دوران بھی جس چیز کو میں نے کبھی منہ نہ لگایا، اب اس معمولی سی تکلیف کے لیے کیسے استعمال کر سکتا ہوں، اور میں تو موت سے بچنے کے لیے بھی کسی حرام چیز کا سہارا لینے کا روادار نہیں ہو سکتا۔" اس کے بعد وہ کافی عرصے تک درد گردہ کی شدید تکلیف برداشت کرتے رہے۔ لیکن کبھی بھی "برانڈی کے پیگ" کا نسخہ استعمال کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ آخر حکیم نابینا کے علاج سے گردوں کی پتھری پیشاب کے ساتھ تھوڑی تھوڑی کر کے خارج ہوگئی۔

حکیم الامت علامہ اقبال کا دیرینہ خادم علی بخش بیان کرتا ہے: "ایک دفعہ ایک غیر مسلم، علامہ صاحب سے ملنے آیا اور میں نے اسے علامہ صاحب کے پاس پہنچا دیا کیوں کہ ان کے پاس ہر قسم اور ہر مذہب کے لوگ آتے تھے، کسی کو روک ٹوک نہ تھی۔ بیٹھتے ہی اس غیر مسلم نے ایک گلاس مانگا۔ میں نے اس کے ارادے سے ناواقفیت کی بنا پر گلاس لا کر دے دیا۔ اس شخص نے ایک دم اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بوتل نکالی اور گلاس میں شراب انڈیل کر غٹا غٹ چڑھا گیا۔ یہ دیکھ کر علامہ صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور مجھے گرج دار آواز میں ڈانٹا: 'علی بخش! تم نے اس کم بخت کو گلاس کیوں دیا اور جب یہ شراب پینے لگا تھا تو اسے منع کیوں نہیں کیا؟ اب یہ گلاس باہر پھینکو اور اس بدتمیز کو یہاں سے نکال دو۔' میں نے خاموشی سے ان کے احکامات پر عمل کیا لیکن باقی سارا دن ان کی طبیعت مکدر رہی اور اس روز، پہلی دفعہ، مجھے دو تین بار جھڑکیاں سننی پڑیں۔" یہ واقعہ اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ خود شراب پینا تو در کنار، علامہ صاحب کسی دوسرے کو بھی اپنے سامنے پینے کی اجازت نہیں دیتے تھے، یعنی دوسرے الفاظ میں وہ شراب سے انتہائی درجے کی نفرت کرتے تھے۔

جناب فقیر سیّد وحید الدین صاحب روزگار فقیر میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی سیرت اور زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز، محبوب اور قابل قدر جذبہ عشق رسول ہے۔ ذات رسالت مآب کے ساتھ انھیں جو والہانہ عقیدت تھی اس کا اظہار ان کی چشم نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے ان کے سامنے حضور کا نام لیا ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھڑتے ہی اقبال بے قابو ہو جاتے تھے۔ اقبال کی شاعری کا خلاصہ، جوہر اور لب لباب عشق رسول ﷺ اور اطاعت رسول ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی صحبتوں میں عشق رسول ﷺ کے جو مناظر دیکھے ہیں ان کا لفظوں میں اظہار بہت مشکل ہے۔

اپنی شاعری میں انہوں نے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو متعدد اسماء سے یاد کر کے آپؐ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ محمد، احمد، مصطفیٰ، دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، قرآں، فرقاں، یٰسیں، طٰہٰ، رسول، رسول عربی، نبی مرسل، شہِ یثرب، مولائے یثرب، رحمۃ للعالمین، رسول عربی، رسول ہاشمی، خدا کا رسول، رسول امیں، رسول مختار، نبی عفت، حضور رسالت مآب، حضور سرورِ عالم، صاحب 'مازاغ'، صاحب یثرب، مدفونِ یثرب، میر عرب، بدر و حنین کے سردار، رفعت شانِ رفعنا لک ذکرک اور بہت سے اسماء مبارک پر مشتمل اشعار زبان زد عام ہیں۔

چند اشعار بطور مثال پیش کیے جا رہے ہیں:

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے!
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
دیں مسلکِ زندگی کی تقویم
دیں سرِّ محمدؐ و ابراہیم
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
محمدؐ بھی ترا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟
نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمدؐ عربی سے ہے عالمِ عربی
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمھیں پاس نہیں

حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک اسم مبارک ''احمد'' ہے۔ علامہ اقبال نے اس اسم کے ساتھ ملت کا لفظ جوڑ کا استعمال کیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

عشق کا دل بھی وہی، حسن کا جادو بھی وہی
اُمت احمد مرسل بھی وہی، تو بھی وہی
کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو!

دین کے اتمام کے لیے اسم مبارک ''مصطفیٰ'' کو علامہ اقبال نے استعمال کیا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر قبول کرے، دینِ مصطفیٰ، انگریز
سیاہ روز مسلماں رہے گا پھر بھی غلام
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

اسم ''مصطفیٰ'' کو استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

حضور نبی اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار میں شہادت دی ہے:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملّت ختمِ رسل شعلہ بہ پیراہن ہے

ان اسماء النبی کے لیے علامہ اقبال نے کچھ اور اسماء النبی بھی اپنے اشعار میں جا بجا استعمال کیے ہیں۔ چند امثال پیش خدمت ہیں:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ
کرم اے شہِ عرب وعجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری

اقبال کے محقق محمد فاضل لکھتے ہیں اقبال مردِ مومن تھا وہ خادم اسلام تھا۔ وہ عاشق قرآن اور سب سے بڑھ کر عاشق رسول تھا۔ یہی وہ مراتب ہیں جن کے باعث اقبال کا مقام اس قدر بلند ہو جاتا ہے جہاں وہم اور خیال کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ شخص جس پر یورپ کے مادی علوم کچھ اثر نہ کر سکے اور جو تہذیب فرنگ کو مٹانے کے درپے رہا۔ جس کی لے حجازی رہی یہ صرف اس لیے نہیں ہوا کہ وہ بہت بڑا شاعر یا عظیم المرتبت فلاسفر تھا بلکہ صرف اس لیے کہ وہ خادم ملت اسلامیہ اور عاشق رسول تھا۔ وہ کس قدر فخریہ انداز میں کہتا ہے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

اقبال نے کہا:

عشق دم جبرائیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

اقبال کی تربیت عشق رسول ﷺ اور دینِ اسلام کے نور میں ہوئی۔ آپ کے والدین پکے مسلمان اور عاشقان رسول تھے، ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

فقیر سید وحید الدین نے یوں تحریر کیا ہے:

''مثنوی رموز بے خودی میں علامہ نے اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک سائل بھیک مانگتا اور صدا لگاتا ہوا ان کے دروازے پر آیا۔ یہ گدائے مبرم یعنی اڑیل فقیر تھا۔ دروازے سے ٹلنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اس کے بار بار چیخ چیخ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے طیش میں آ کر اسے مارا۔ علامہ کے والد اس حرکت پر بہت آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے اور دل گرفتہ ہو کر بیٹے سے کہا کہ ''قیامت کے دن جب خیر الرسل کی امت سرکار ﷺ کے حضور جمع ہوگی تو یہ گدائے دردمند تمہارے اس برتاؤ کے خلاف حضور رسالت مآب ﷺ سے فریاد کرے گا''۔

علامہ کے والد ماجد اپنے ریش سفید کا واسطہ دے کر بیٹے کو کہتے ہیں کہ مجھے میرے آقا و مولیٰ ﷺ کے حضور یوں رسوا نہ کرو۔ تم چمن محمدی ﷺ کی ایک کلی ہو، وہی اخلاق اپناؤ جو حضور ﷺ کو پسند ہے۔

فقیر وحید الدین لکھتے ہیں کہ شیخ نور محمد علیہ الرحمہ کے حسن تربیت کا یہ اعجاز تھا کہ جب علامہ اقبال قرآن کی آیت اور حدیث رسول سنتے تھے تو فوراً ''گردن بہ طاعت نہادن'' کی تصویر بن جاتے تھے۔

(روز گار فقیر جلد دوم، ص152)

سید نذیر نیازی کی روایت ہے کہ:

''ایک مرتبہ ایک صاحب نے علامہ اقبال کے سامنے بڑے اچنبھے کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کیا کہ رسول ﷺ اصحاب ثلاثہ کے ساتھ احد تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں احد لرزنے لگا اور حضور ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا'' علامہ اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا ''اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ و مجاز نہیں، بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے سے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں۔ مجازی طور پر نہیں، واقعی لرز اٹھتے ہیں''۔

(اقبال کامل ص64 اور جوہر اقبال ص38)

اس سے معلوم ہوا کہ اقبال کے نزدیک حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ عقل کی کسوٹی پر پرکھے جانے کا محتاج نہیں ہے، بس جو حضور ﷺ نے فرما دیا وہی حق ہے وہی سچ ہے ہماری عقل کوتاہ بیں میں سرایت کرے یا نہ کرے۔

ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ رسول مقبول ﷺ کا دیدار کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ''پہلے

حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرو اور اپنی زندگی کو اسی میں ڈھالو اور پھر اپنے آپ کو دیکھو۔ یہی ان کا دیدار ہے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کو اتنی بصیرت کیسے حاصل ہوئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا کہ اکثر اوقات رسول کریم ﷺ پر درود بھیجتا رہتا ہوں۔ اب تک ایک کروڑ مرتبہ درود شریف کا ورد کیا ہے۔

آپ کے صاحبزادہ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ میں نے اماں جان کی موت پر بھی انہیں روتے نہیں دیکھا مگر قرآن سنتے وقت یا رسول اکرم ﷺ کا نام زبان پر آتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔

1933ء میں ایک نوجوان نے حکیم الامت سے اس بارے میں استفسار کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے آنحضرت ﷺ جب چلتے تھے تو درخت تعظیم سے جھک جاتے۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟ کیونکہ یہ بات ماورائے فطرت معلوم ہوتی ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ تمہارا ذہن مختلف راستے پر منتقل ہوگیا ہے۔ تم الجھ کر رہ گئے ہو۔ قدرت کے مظاہرے اور درختوں کے جھکنے میں بھائی یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عشق بتاتا ہے۔ کہ ان کی آنکھ یہ دیکھتی ہے ''اگر تمہیں عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ نصیب ہو تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھک رہی ہے''۔

(ماہنامہ فکر ونظر مارچ 1979ء رسالت مآب اور اقبال......رحیم بخش شاہین)

اقبال نے صرف شاعری کو عشق رسول ﷺ کی چنگاری سلگانے کا سبب نہیں بنایا بلکہ فن کی ہر جہت اس عظیم کام کے لیے استعمال کی۔ چنانچہ خطوط اور نثر پارے اس کے گواہ ہیں۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ سید غلام میراں شاہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''خدا تعالیٰ! آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوت، ہمت، اثر ورسوخ اور دولت و عظمت کو حقائق اسلام کی نشر واشاعت میں صرف کریں''۔

ان کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

''میں آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا اخلاص اور وہ محبت جو آپ کو حضور رسالت ﷺ سے ہے۔ آپ کے خاندان پر بہت بڑی برکات کے نزول کے باعث ہوگی''۔

شیخ اعجاز احمد (علامہ اقبال کے بھتیجے) کہتے ہیں کہ مجھے میری پھوپھی (ہمشیرہ اقبال) نے بتایا کہ میاں جی کو اسم اعظم معلوم ہے اور انہوں نے اسے اقبال کو بتادیا ہے۔ علامہ اقبال لاہور سے سیالکوٹ تشریف لائے تو ایک روز اعجاز صاحب نے ان کے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔ میں نے سنا ہے کہ میاں جی نے آپ کو اسم اعظم بتادیا ہے۔ فرمایا یہ بات تم میاں جی سے ہی پوچھنا۔ چنانچہ ایک دن اعجاز صاحب نے میاں جی سے اسم اعظم کے بارے میں دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مشکلوں کو آسان کرتی ہے۔ اس لیے دعا ہی اعظم ہے۔ پھر فرمایا۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی اچھی صفات ہیں جس کے ذریعے سے اس سے دعائیں کرنی چاہیں۔ مثلاً صحت کے لیے یا شافی، رزق کے لیے یا رزاق، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفاتی نام پکارنے سے مشکلیں حل ہوتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ الفاظ صرف زبان سے ہی نہیں، دل سے بھی نکلیں اور دل اللہ تعالیٰ کی صفت پر یقین بھی رکھتا ہو۔ اس کے بعد کہا کہ قبولیت دعا کے لیے ایک نسخہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر دعا سے پہلے اور بعد حضور سرور کائنات ﷺ پر درود بھیجیں۔ کیونکہ درود سے بڑھ کر اور کوئی اسم اعظم نہیں اور تمہارے چچا کو میں نے اسی ''اسم اعظم'' کی تلقین کی ہے''۔

(ماہنامہ کوثر نومبر 1988ء اقبال کیسے بنتا ہے، ص 13-14)

غالباً 1929ء کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا۔ علامہ اقبال اس جلسے کے صدر تھے۔ جلسے میں کسی خوش الحان نعت خواں نے مولانا احمد رضا صاحب کی ایک نظم شروع کردی۔ ایک مصرعہ یہ تھا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

نظم کے بعد علامہ اقبال اپنی صدارتی تقریر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ ذیل کے دوشعر ارشاد فرمائے۔

تماشہ تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد ﷺ
تعجب تو یہ ہے کہ فردوسِ اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد ﷺ

(نوادر اقبال، سرسید بک ڈپو علی گڑھ، ص 25)
(بحوالہ راجہ رشید محمود اقبال و احمد رضا 1977ء ص 33)

علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا مدار فکر اور معیار تمدن ہمیشہ اسوہ حسنہ رہا۔ ان کا کاسہ سر علم سے پر رہا اور کاسہ دل عشق سے معمور رہا۔ علم وہ نہیں جو سوز دماغ ہے بلکہ جو سوز جگر ہے اور عشق وہ نہیں جو بوالہوسوں کا شعار ہے۔ علم سے انہوں نے راستہ معلوم کیا اور عشق سے منزل کو پایا۔ بیکن نے سچ کہا ہے کہ فلسفے کا تھوڑا علم انسان کو خدا سے بیزار اور گہرا علم خدا کا پرستار بنادیتا ہے اور اقبال علیہ الرحمہ بلاشبہ فلاسفے کے گہرے عالم تھے۔ وہ اتنی گہرائی میں اتر کر عشق رسول کے موتی چن کر باہر لائے اور انہیں اپنے دامن میں سجا کر پوری دنیا کو دعوت نظارہ دی اور بڑی بلند آہنگی اور خود اعتمادی سے کہا۔ اے منطق و کلام کے متوالو! اس کلام کو پڑھو جو امی نبی ﷺ پر اترا ہے۔ شاید تمہارا کام بن جائے۔ اے افلاطون اور ارسطو کے شیدائیو ان کی بارگاہ میں پہنچ کر کچھ سیکھو جن کے ہاتھوں نے تختی کو چھوا اور نہ ان کی انگلیوں نے کبھی قلم پکڑا۔ لیکن لوح وقلم کے سارے رازان پر منکشف ہوگئے۔

مرزا جلال الدین بیرسٹر کہتے ہیں:

''حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی طبیعت کا سوز وگداز عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور عشق رسول ﷺ میں ان کی سرشاری استغراق کے درجے پر جا پہنچی۔ آخر میں تو یہ حال ہوگیا تھا کہ ذرا حضور ﷺ کا نام کسی کی زبان پر آیا اور آپ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ اسی طرح آپ کو فریضہ حج کی ادائیگی اور روضہ مبارک کی زیارت کی شدید آرزو تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاتی تھی۔ آخر زمانے میں بیماریوں اور ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا تھا مگر اس وقت بھی یہی لگن تھی کہ شاید طاقت عود کر آئے اور مجھے یہ مقدس سفر نصیب ہوجائے''۔

(جلال الدین بیرسٹر ملفوظات اقبال)

کلامِ اقبال میں عشقِ رسول کے اظہار میں جب شیفتگی و وارفتگی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ بزرگانِ دین کا فیضانِ نظر تھا۔ اس میں مکتب کی کرامت کا دخل نہیں تھا۔ آپ کے کلام میں شیخ عطار، نظام الدین اولیا، حضرت مجدد الف ثانی، مولانا روم، اور امام غزالی کا تذکرہ اس امر پر شاہد ہے۔ اقبال ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام تر عقل اور فلسفہ دانی کو نبی کریم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا ہے۔ اقبال کے ذہن میں عشق و مستی کا اوّل اور آخری محور ایک ہی ہونا چاہیے اور وہ محور ہے نبی کریم کی ذات جو ذات تجلیات ہے جو کہ بقول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

''قرآن ہی ان کے اخلاق ہیں''۔

اقبال کے ذہن میں انسانی زندگی کے دو بڑے دھارے ہیں۔ نیکی اور بدی وہ نیکی کو حضور محمد رسول اللہ ﷺ سے منسلک کرتے ہیں جبکہ بدی کو ابولہب سے وہ ابولہب کو بدی کا استعارہ تصور کرتے ہیں اور نیکی کی علامت کے لیے پیکرِ جمیل کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عشق اور عقل کی تقسیم میں عشق کو محمد مصطفٰے ﷺ اور عقل کو عیاری کی بناء پر ابولہب کے حصے میں رکھتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں:

تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفی عقل تمام بولہب

اقبال کے خیال میں نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان یہ معرکہ ازل سے جاری ہیں اور بدی کی قوتوں کا انداز ابتداء سے مکارانہ اور عیارانہ ہے۔ جس کے مقابلے میں نیکی معصوم اور پاک ہوتی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

جس دور میں اقبال نے شکوہ اور جواب شکوہ جیسی نظمیں تخلیق کیں وہ مسلمانانِ عالم کے لیے ایک عالمگیر انحطاط و انتشار کا زمانہ تھا اقبال مسلمانان عالم کی اس عمومی صورت حال پر ہمہ وقت بے تاب و بے قرار رہتے تھے۔ جواب شکوہ لکھنے سے کچھ عرصہ پیشتر اقبال نے طرابلس کے شہیدوں کے حوالے سے ایک نظم " حضور رسالت مآب لکھی۔ یہ نظم بارگاہ نبوی میں شاعری کی ایک خیالی حضوری کو بیان کرتی ہے۔ فرشتے شاعر کو بزم رسالت میں حضور کے سایہ رحمت میں لے جاتے ہیں۔ بارگاہ نبوی سے شاعر سے خطاب کیا جاتا ہے۔

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیٔ نوا سے گداز

اقبال کا مطالعہ اسلام اور قرآن بہت ہی اچھا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں آیاتِ قرآنی کو جگہ دی ہے۔ کیونکہ اقبال کو پتہ تھا کہ اللہ کے کتابوں میں یہ آخری اور واحد کتاب ہے جس میں تبدیلی اور غلط بیانی کسی کے بس کی بات نہیں اور اس کی خالص شکل لوح محفوظ میں موجود ہے اور اسی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

''اے نبی کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو''۔

کیونکہ اللہ تک رسائی کے لیے حُب نبی ہی اصل زینہ ہے۔ جس پر صحابہ کرام نے عمل کیا۔ صدیق، عمر، عثمان اور علی نے عمل کیا۔ اقبال اس لیے نصیحت کرتے ہیں اللہ سے وہی سوز طلب کرو جو انہی صحابہ نے طلب کیا تھا۔ جو ان کو عشق نبوی سے حاصل ہوا۔

سوز صدیق و علی از حق طلب
ذرہ عشق نبی از حق طلب

اقبال کے نزدیک اسوہ نبوی کے اتباع کی بدولت ہی ہم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے ہمارے دلوں میں کشادگی اور نور و تجلیات خداوندی جگہ پا سکتی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

درد دل مسلم مقام مصطفٰے است
آبروئے ما زنامِ مصطفی است

گویا اقبال مسلمان کو سبق دیتے ہیں کہ اے مسلمان تمہاری عزت تمہارا وقار اور تمہارا مقام و مرتبہ اگر بن سکتا ہے تو فقط اور فقط نامِ مصطفٰے کی بدولت بن سکتا ہے لہٰذا کسی طور بھی حضور ﷺ سے دور نہ ہونا۔

اقبال اس جانب بھی توجہ دلاتے ہیں کہ جب بھی مسلمانوں نے پیغامِ محمدؐ سے دُوری اختیار کی، زوال ہی اُن کا مقدر ٹھہرا۔ ''جوابِ شکوہ'' میں استفسار یہ رنگ میں زوال زدہ مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں

یہاں اس امر کی طرف توجہ دلانی بھی ضروری ہے کہ اقبال نہ صرف خود عشقِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار تھے بلکہ دلی طور پر یہ خواہش بھی رکھتے تھے کہ مسلمان نوجوان بھی جذبۂ عشقِ رسولؐ کے حامل ہوں کیوں کہ یہی جذبہ حیات مسلم کو تابناکی عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے نسلِ نو کے لیے ''شاہین'' کی علامت اختیار کی اور جہاں اس کے دیگر اوصاف بتائے، وہیں اس کا نمایاں ترین وصف یہ قرار دیا کہ مسلم نوجوان ''شاہینِ شہِ لولاک'' ہوتا ہے اور یہ وہ خوبی ہے جو نہ صرف اس کی خودی کی تعیین میں معاون ٹھہرتی ہے بلکہ اسی نسبت خاص سے اُسے احساس ہوتا ہے کہ وہ ''فروغِ دیدۂ افلاک'' ہے:

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حُور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تُو

ہمارے اس دور کی اشد ضرورت ہے کہ اقبال کو پڑھا جائے، اقبال کو سمجھا جائے اور اقبال کی فکر کو اختیار کیا جائے۔ عشق رسول ایسا جذبہ ہے جس نے عرب کے بدوؤں کو صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور مولائے کائنات جیسی شخصیات عطا کی ہیں۔

مسلمانوں کی ابتری اور زبوں حالی کی یقیناً یہی وجہ ہے کہ ہم دین اسلام سے دور ہو گئے، قرآن کو بھلا بیٹھے اور عشق رسول ﷺ کی چنگاری کو بجھا بیٹھے ہیں۔

مسلمانانِ عالم کے مرضِ ابتری کا علاج علامہ اقبال عشق رسول ﷺ ہی تجویز کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ عقل کو فراموش نہیں کرتے، وہ تقدیر کو مانتے ہیں لیکن تدبیر کا انکار نہیں کرتے۔

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آیئے اقبال کی نصیحت سمجھنے کی کوشش کریں:

درس قرآن نہ گر ہم نے بھلایا ہوتا
یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

سید ریاض حسین شاہ

تاریخ صحیح یاد نہیں اور دن کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے وقت تو ذہن سے بالکل نسیاً منسیا ہو گیا ہے البتہ جگہ یاد ہے۔ راولپنڈی کی گنج منڈی ہر طرف ٹرکوں کی گھوں گھوں اور جدھر دیکھو کوچوانوں کے بے ترتیب یکے اس پر مستزاد آنے جانے والوں کے زوردار دھکے لالہ جی قدس سرہ العزیز نے فرمایا طبیعت کچھ بوجھل ہوئی ہے، آؤ مسجد میں بیٹھتے ہیں۔ مسجد اوپر والی چھت پر تھی۔ صعودی زینے طے کرتے ہوئے باب مسجد پر کچھ لوگ دیکھے آنکھوں میں آنسو، ہونٹوں پر پپڑیاں اور لبوں پر آہیں مسکنت کی یہ تصویریں دیکھ کر لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا شکر ہے مولا تیرا ہمیں کن کن نعمتوں سے تو نے مالا مال کر رکھا ہے، مسجد میں داخل ہوئے تو اپنے ایک ساتھی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی نوٹ بک اپنے ہاتھ میں لے لی اور کہا آؤ میں تمہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مقامات سمجھاتا ہوں کہ اس راہ محبت میں سالک کو شوق کی کون کون سی وادیاں عبور کرنی پڑتی ہیں۔

غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے قلم اور کاغذ کی مدد سے یہ راز دروں اپنے ساتھیوں تک پہنچائے۔

لالہ جی قدس سرہ العزیز نے بڑی محبت اور محنت سے مقامات اور کیفیات کا دل ربا نقشہ پیش فرمایا جسے تصوف کی معتبر کتب کی مدد سے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔ ولایت صغریٰ تک لطائف خمسہ اور مقامات اور حسن ترتیب اور تاثیرات کی تفصیل یہ ہے۔

ولایت صغریٰ کے بعد نفس فنائیت کے بعد سیف قاطع بن جاتا ہے اس سے آگے ولایت ہی کے مقامات ہیں لیکن متصوفین راہ ولایت انبیاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت لالہ جی نے قوس کی تشریح نہیں فرمائی لیکن اختصار سے کمالات اور مقامات کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت لالہ جی نے فرمایا ولایت ملائکہ کے بعد اللہ رب العزت کمالات عطا فرماتا ہے جو دراصل عکس ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا، یہاں یہ باریک نکتہ ذہن میں رہے کہ کوئی ولی، قطب نبی اور رسول کی مثلیت کا تصور بھی نہیں کر سکتا اگر کوئی کرتا ہے تو وہ جاہل ہے۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز نے توضیح کے مختلف پیرائے اختیار کیے اور تربیت کے لیے دیگر سلاسل کا ذکر بھی فرمایا اور فنافی الشیخ، فنافی الرسول ﷺ اور فنافی اللہ بقا باللہ کی تشریح فرمائی اور دوران تشریح ناسوت، ماہوت، باہوت، جبروت اور لاہوت کا ذکر بھی فرمایا۔۔۔۔اور تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرمایا: ”مجھے حیرت کی ٹھوکریں لگیں لیکن مرشد کامل کی محبت اور توجہ نے سیار لاہوت بنا دیا“۔

فارغ ہوئے تو مسجد کی محرابی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ حضرت نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تم باہر دوسری مسجد کے مینار کی طرف کیوں جھانک رہے ہو اس نے عرض کی یہاں اس کے استاد رہتے ہیں جن سے اس نے منطق اور فلسفہ کی بعض کتب پڑھی ہیں۔ پوچھا ان کا نام کیا تھا سید ابونعمان نے کہا ”علامہ سید محمود شاہ جلوی مظفر آبادی“۔ لالہ جی نے فرمایا اس مسجد کا نام کیا ہے عرض کی گئی ”کپتان والی مسجد رتہ امرال“۔ حضرت تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور پھر ایک واقعہ سنایا کہ اس مسجد کا متولی کپتان سلسلہ مجددیہ میں بیعت ہے اور اس کا تعلق حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کے ساتھ ہے۔ آپ حضرت خواجہ شمس الدین کے خلیفہ مجاز ہیں، ایک موقع پر اس کے باطنی علم کی لائن کٹ گئی، حال گر گیا۔ یہ پریشاں فکر بگرام کی طرف دوڑا۔ راستہ میں اوگی اس کو رات پڑ گئی۔ ہماری محفل ذکر میں شریک ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کھویا ہوا خزانہ دوبارہ مل گیا۔ اب اس کا ارادہ ہوا کہ وہ اوگی ہی سے راولپنڈی واپس ہو جائے لیکن میں نے اصرار کیا کہ تم بگرام ضرور جاؤ۔۔۔۔!!

لالہ جی سے ایک دوسرے ساتھی نے استفسار کیا حضور آپ نے اسے بگرام جانے کے لیے اصرار کیوں فرمایا۔۔۔۔؟ حضرت نے کہا اس کی دو حکمتیں تھیں: ایک تو یہ کہ مولانا غلام ربانی صاحب ناراض نہ ہوں کہ ان کے مریدین کے عقیدہ کے تضعف کا سبب میں بنا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ وفا کی رسوم توڑنا سخت ترین جرم ہے۔۔۔۔۔اور دوسری حکمت یہ تھی کہ مرید کی آغوش میں اگر آسمان کے سارے ستارے بھی کوئی نوچ کر ڈال دے تو بھی اسے اپنے پیر سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے، اس کی ترقی مدارج ہمہ دم اپنے مرشد کی توجہ کی محتاج رہتی ہے۔۔۔۔

یہ ادائیں اور یہ وفائیں بس یہی کہا جا سکتا ہے:

آنانکہ کہ وصف حسن تو تفسیر می کنند
خواب ندیدہ را ہمہ تعبیر می کنند

مسجد سے نیچے اترے تو لالہ جی قدس سرہ العزیز تھوڑا تیز قدموں سے بازار کی طرف بڑھے۔ سید ابوفیصل نے حضور والا کی خدمت میں از راہ خوش طبعی عرض کی۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام
زیر قدمت ہزار جان است

لالہ جی پیچھے مڑ کر دیکھنے لگ گئے۔ نرگسی آنکھوں نے فیض برسایا، سانس کھینچا اور ہولے سے فرمایا ”شکر تیرا اللہ“ اس بول سے روح میں بجلیاں کوند گئیں۔ آپ

مسکرانے لگ گئے ایسا لگا جیسے چاندنی کھیت کر رہی ہو، خواہشات کو پسینہ آ گیا۔

آپ فرمانے لگے:

"راستہ گندگی سے اٹا ہوا ہے، دیکھ کر چلو،
جہاں میں قدم رکھتا ہوں وہاں قدم رکھ کے
چلو ورنہ پھسل جاؤ گے"۔

ہاں یہ سلیقہ ہے بازار دنیا میں چلنے کا جہاں وہ قدم رکھیں وہاں قدم رکھو ورنہ پھسل جاؤ گے۔

گلشن میں کہیں بوئے دم ساز نہیں آتی
اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

بقیہ: یہ قدم قدم قیامت

جہاں تک میری دعوت وتبلیغ کے اثرات کا تعلق ہے مجھے صرف ایک شخص کے بارے میں علم ہے جس نے مجھ سے بحث وتمحیص کے بعد اسلام قبول کیا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے زیادہ تر لوگوں کی دینی رہنمائی کی اور انہیں باعمل مسلمان بننے میں مدد کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب! میں میڈیا پرسنلٹی نہیں ہوں اور نہ ہی میرے کوئی فالورز ہیں۔ اگرچہ یہاں یوکے اور امریکا میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ میں صرف ایک جذبہ رکھنے والا مسلمان ہوں۔

ملازمت کے علاوہ آپ کے دیگر مشاغل کیا ہیں؟

زیادہ تر رضا کارانہ امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہوں۔۔ کچھ دوستوں سے مل کر فنڈ ریزنگ کر کے بے گھر اور مفلس لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مطالعہ اور اسلامی لیکچرز میں شرکت کرنا مجھے پسند ہے۔

میں نے قبول اسلام کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ اسے تین اداروں نے شائع کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ابھی تک پرنٹ میں ہے۔ آج ہی میں نے ایک تنظیم سے رابطہ کیا کہ آیا وہ مجھے خود کتاب شائع کرنے کے حقوق دیں گے۔

کیا برطانیہ میں مسلمان عمل کے لحاظ سے مسلم ممالک سے بہتر ہیں؟

آپ نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شائد غیر اسلامی ممالک میں بسنے والے بہتر مسلمان ہوتے ہیں۔ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ہر علاقہ میں مختلف ہو گا۔ اور یہاں بھی بے عمل مسلمانوں کی خاصی تعداد موجود ہے اور بہت اچھے مسلمان بھی ہیں۔ اور یقینا اسلامی ممالک میں زیادہ باعمل مسلمان ہونے چاہییں۔

میں نے عیسائیت، یہودیت، اسلام، بدھ مت اور ہندومت کا بھرپور مطالعہ کیا

ہمارے ملک میں جو پاکستانی موجود ہیں ان کے عقائد ایک جیسے نہیں ہیں لندن کے مشرقی حصہ میں بہت سی مساجد ہیں۔ جن کا آپس میں اتحاد ہے ماسوائے ایک مسجد کے اور میرا خیال ہے۔ ان کا اختلافی مسئلہ وفات پانے والے بزرگوں کو پکارنے یا نہ پکارنے کا ہے۔

مجھے شیعہ، سنی، اہلحدیث، دیوبندی اور بریلوی عقائد کے بارے میں کچھ معلومات ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ زیادہ تر ہندستان میں ہیں۔ اور صوفی ازم انہی میں کہیں فٹ ہوتا ہوگا۔ صوفی ازم کے بارے میں میری زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اس ضمن میں جو کچھ آپ نے تحریر کیا۔ اچھا لگا۔ اس سلسلہ میں آپ مزید میری رہنمائی فرمائیں گے تو میرے لیے باعث مسرت ہوگا۔

براہ کرم مجھے بتائیں کہ پاکستان میں اسلام اور مسلمانوں کی کیا کیفیت ہے۔ کیا یہاں پر مختلف فرقہ اور گروہ بندیاں ہیں اور یہ جو سنی، شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث ہیں ان میں سب سے بڑا گروہ کونسا ہے۔ کیا یہ گروہ آپس میں متحارب رہتے ہیں؟

جناب سالم صاحب پاکستان کے حالات سے کافی حد تک باخبر ہیں بلکہ معروضی حالات سے بہت فکر مند بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ مجھ سے جاننے کے تمنائی تھے۔ لہذا انہوں نے بہت سے سوالات کیے۔ انہوں نے کہا:

میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاکستان میں سیاست، پاکستان کے لیے خاص طور پر مذہبی رسوم اور رسوم کے بارے میں کچھ بتائیں۔

لوگوں نے مجھے کئی بار بتایا ہے کہ پاکستان کتنا کرپٹ ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو آپ سوچتے ہیں کہ واقعی اس کی کوئی بنیاد ہے۔

میں اس ملک میں بہت سے اچھے پاکستانیوں کو دیکھتا ہوں، ساتھ ہی ساتھ بہت سے غیر عملی مسلمان بھی، جو اسلام کی بہت کم پرواہ کرتے نظر آتے ہیں۔

میں ایسے علم والے بھی دیکھتا ہوں جو ظاہری علامات کے علاوہ اور بعض اوقات اسلام کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ اسلام کی بنیادی باتیں بھی نہیں جانتے۔

فرقہ بندیوں میں صوفی ازم کہاں فٹ ہوتا ہے

میرے خیال میں عرب ممالک میں اسلامی معلومات عام طور پر زیادہ ہیں۔ تاہم، یہ یقینی طور پر ہمیشہ کیس نہیں ہے۔ یہ مخصوص برادریوں اور خود افراد کی اپنی کاوش بھی ہوتی ہے۔

میں نے آپ کے کچھ سوالوں کے جوابات بہت خوشدلی سے دیے ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ ہماری بات چیت میرے بارے میں ہو۔ میں دیکھ سکتا ہوں کہ آپ کو میری تبدیلی کی تفصیلات دلچسپ لگتی ہیں۔ یہ درست ہے تاہم، میں پاکستان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے چند مزید سوالات پوچھوں گا اور شاید آپ ان کے جواب دینے کے لیے کافی ہوں گے۔

1۔ کیا پاکستان میں خواتین کو ان کے مکمل اسلامی حقوق حاصل ہیں؟ کیا ایک عورت ممکنہ شادی کے ساتھی کو قبول یا مسترد کرنے کے لیے آزاد ہے یا آپ جبری شادیاں کرواتے ہیں؟ کیا گھریلو تشدد کا کوئی مسئلہ ہے؟

2۔ کیا لوگ اسلامی وراثت کے قوانین پر عمل کرتے ہیں یا صرف اپنی مرضی کے مطابق اپنی رقم دیتے ہیں؟

3۔ کیا مذہبی لوگوں کو بہت زیادہ عزت دی جاتی ہے؟ کچھ مسلم ممالک میں جو لوگ اتنے ہوشیار نہیں ہوتے کہ ڈاکٹر یا انجینئر بن سکیں وہ امام بن جاتے ہیں۔

4۔ کیا ائمہ دین میں اچھی بنیاد رکھتے ہیں یا ان کی تعلیم کسی حد تک محدود ہے؟

راقم نے حتی المقدور ان کے چبھتے ہوئے سوالات کا جائزہ پیش کر دیا۔ اس میں ان کی معلومات میں اضافہ تو نہ ہوا البتہ جو کچھ انہوں سن رکھا تھا یا پڑھا تھا زیادہ تر اس کی تصدیق ہی ہوئی۔ شائد وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ دیکھنا چاہتے تھے۔

انہوں نے لکھا کہ میرے پاس آپ کے آخری ای میل پر کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ میں یقین کر سکتا ہوں کہ بعض اوقات خواتین کو ان کے مکمل اسلامی حقوق نہیں مل پاتے، خاص طور پر دیہی علاقوں میں۔ یہ بہت سنجیدہ معاملہ ہے حالانکہ بہت سے لوگ ان چیزوں کو ہلکا لیتے ہیں۔ لوگوں کو یہ یقینی بنانے کے لیے بہت مذہبی ہونا چاہیے کہ وہ حد سے تجاوز نہ کریں۔ اللہ ان کو اور ہمیں ہدایت دے۔

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی اور ان کے خاندان کا کردار

علامہ محمد ارشد

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے اندر ہی سے تمہارے جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم اُن سے سکون پاؤ اور پھر اس نے تمہارے درمیان پیار اور الفت رکھی۔ بے شک غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں“۔ (سورۂ روم:21)

ازدواجی زندگی کا حُسن یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے سکون حاصل کرے اور شوہر اپنی بیوی سے سکون حاصل کرے۔ اکٹھے رہتے ہوئے اختلافات کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اس دوران اگر پیار اور الفت باقی رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر صورتحال ایسی بن جائے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے حزبِ اختلاف بن جائیں۔ تو پھر زندگی اجیرن ہوجاتی ہے اور یہ رشتہ بے روح جسم کی مانند ہوجاتا ہے۔

شوہر کا گھر عورت کا گھر ہے

اپنی بیوی کی تمام ضروریات زندگی پوری کرنا شوہر پر لازم ہے۔ عورت جاب بھی کرتی ہو پھر بھی شوہر پر لازم ہے کہ وہ اس کے لیے کھانا، کپڑے اور رہائش کا بندوبست کرے۔ سورۂ طلاق کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں“۔

یہاں عنوان تو کچھ اور چل رہا ہے لیکن ایک بات جس سے ہم اپنے عنوان کو تقویت دے سکتے ہیں وہ یہ کہ میاں بیوی کے رشتے میں وہ گھر جس کا بندوبست شوہر کرتا ہے، اللہ کی نظر میں وہ عورت کا گھر ہے۔ اسی لیے کہا کہ ”انہیں اُن کے گھروں سے نہ نکالو“۔ یعنی پیار اور محبت کا درجہ یہ ہو کہ جس میں تیرا میرا اور میرا تیرا کی قوالی نہ ہو۔ میرا تیرا، تیرا میرا کا راگ الاپنے والے میاں بیوی کبھی خوش نہیں رہتے۔

بیوی کا کردار

پہلی وحی کے نزول کے بعد رسول کریم ﷺ اپنی زوجہ محترمہ سیدتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ چادر اوڑھا دی گئی۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی طبیعت پُرسکون ہوئی تو آپ ﷺ نے تفصیل کے ساتھ اپنی زوجہ محترمہ کو نزول وحی کا سارا واقعہ سنایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ڈھارس بندھاتے ہوئے عرض کیا، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق عالیہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لیے کماتے ہیں، مہمان نواز ہیں ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری:03)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں سیکھی جاسکتی ہیں:

1۔ شوہر جب گھر میں آئے تو پہلے اُسے پُرسکون ہو لینے دینا چاہیے۔ دروازے پر ہی سوالات کی بوچھاڑ نہیں کردینی چاہیے۔

2۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خاموشی سے اور غور سے ساری بات سُنی۔ بیوی اپنے شوہر کی بات توجہ سے اور خاموشی سے سنے۔ مکمل بات سنے بغیر درمیان میں بار بار ٹوکنا خلاف ادب بھی ہے اور شوہر کی ناراضگی کا سبب بھی۔

3۔ نبی کریم ﷺ نے نزول وحی کا واقعہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ بیوی اپنے شوہر کو اتنا اعتماد دے کہ شوہر اپنے اہم معاملات سب سے پہلے بیوی کے ساتھ شیئر کرے۔ بیوی اگر شوہر کو اعتماد دینے کی بجائے شک والا رویہ اختیار کرے گی تو اس سے ازدواجی تعلق مضبوط ہونے کی بجائے کمزور سے کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

4۔ شوہر کا بیوی پر اعتماد اس درجے کا ہو کہ شوہر کو یقین ہو کہ پیش آمدہ صورتحال میں اور کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے میری بیوی میرا ساتھ ضرور دے گی۔ اعتماد کا یہ لیول فیصلہ سازی میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

5۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ سننے کے فوراً بعد نبی کریم ﷺ کی شان بیان کی۔ بیوی کو چاہیے کہ اپنے شوہر کی خوبیاں بیان کرے، اسے موٹیویٹ کرے Demotivation تعلق میں خلیج اور فاصلہ پیدا کرتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر خواتین اپنے شوہروں سے معمولی کام کروانے کے لئے بھی غیر مناسب راستہ اختیار کرلیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر میں خوشی والا ماحول ختم ہو جاتا ہے۔ اگر خواتین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنا آئیڈیل بنالیں تو وہ اپنے شوہروں کو ہمیشہ وفاشعار اور محبت کرنے والا پائیں گی۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ بیوی کا کردار صرف مذکورہ روایت کی مطابقت میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہ تمام ذمہ داریاں جو بیوی کی بیان کی گئی ہیں شوہر پر بھی لازم ہیں۔

شوہر کا کردار

قرآن و حدیث میں مرد کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ تو اس نے پوری کرنی ہی کرنی ہیں۔ اس کے علاوہ کیا کرنا چاہیے اس حدیث سے رہنمائی لیتے ہیں:

”ایک عید کے موقع پر اہل حبشہ مسجد نبوی کے وسیع دالان میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم بھی یہ کرتب دیکھنا پسند کرو گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا جی میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ نبی کریم ﷺ

نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے کھڑا کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ نبی کریم ﷺ کے مبارک کندھے پر رکھا، ان کا منہ نبی کریم ﷺ کے مبارک منہ سے مس ہو رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا جی بھر گیا تو نبی علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا، کیا اتنا کافی ہے؟ میں نے عرض کیا جی! تو فرمایا اب آپ جائیں۔ (صحیح البخاری:950)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں سیکھی جاسکتی ہیں:

1: شوہر اپنی بیوی کے لیے بھی وقت نکالا کرے۔

2: خاص مواقع پر کسی حرام کام کی آمیزش نہ ہو تو مناسب انٹرٹیمنٹ کا بندوبست کرے۔

3:۔ بیوی کی جائز خواہش پوری کرنے کی پوری کوشش کرے۔

4:۔ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر بیوی کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

5:۔ شوہر کو چاہیے کہ کبھی خود بھی بیوی سے اس کی خواہشات کے بارے میں سوال کرلیا کرے۔ شوہر اگر چاہتا ہے کہ اُس کی بیوی، اُس کا، اُس کے بچوں کا اور اُس کے گھر کا خیال رکھے تو اُسے چاہیے کہ وہ بیوی کو خوش رکھے۔ اور بیوی کو خوش رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس

قرآن حکیم کہتا ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے لباس کی حیثیت رکھتی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے لباس ہوتے ہیں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

هن لباس لکم و انتم لباس لهن

''وہ تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو''۔

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہنے کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے صاحب تفسیر ''تبصرہ'' رقمطراز ہیں:

۞ لباس سے تشبیہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ لباس جسم کے لیے زیب و زینت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ بات تو سب کو سمجھ آتی ہے کہ وجود زن سے تصویر کائنات میں رنگ ہے لیکن بہت کم لوگ سمجھتے ہیں کہ وجود شوہر بھی عورتوں کے لیے زیب و زینت کا باعث ہوتا ہے۔

۞ دوسری حکمت یہ ہے کہ لباس انسان کے لیے ستر ہوتا ہے۔ بدن کے جو حصے ملبوس ہونے چاہییں لباس ڈھانپ کر رکھتا ہے۔ مرد اور عورت بھی ایک دوسرے کے رازوں کے امین ہوتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب کا کام دینا چاہیے۔ اسلامی ازواج میں یہ پردہ داری جتنی گہری ہوگی شادی کی کامیابی کے امکانات اتنے ہی محکم اور موثر ہوں گے۔

۞ تیسری حکمت یہ ہوتی ہے کہ لباس گرمی اور سردی سے بدن کو بچاتا ہے۔ لباس کی وجہ سے ابدان محفوظ ہوتے ہیں۔ عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی سیکورٹی ہوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو سرکشیوں اور فسادات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ لباس کی یہ خوبی جس جوڑے میں زیادہ ہوگی اُس خاندان میں اولاد کی تربیت کا نظام مضبوط، محکم اور اقدار ساز ہوگا۔

۞ چوتھی حکمت ربط کی ہوتی ہے کہ لباس بدن کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے۔ لباس کی اسی خوبی کی بنا پر قرآن مجید نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ بیوی اور خاوند جتنے ایک دوسرے سے ربط میں قرب رکھیں گے، افزائش نسل میں ان کا کردار اتنا ہی گہرا، موثر اور انقلابی ہوگا۔

۞ پانچویں حکمت اطمینان اور سکون کی ہے لباس انسان کے لیے زندگی کو پُر سکون بنا دیتا ہے اسی طرح ایک اچھا، معیاری اور اسلامی جوڑا وہی ہوگا جو ایک دوسرے کو سکون اور اطمینان پہنچائیں گے۔ تعلقات کی یہ پنجگانہ جہات عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کے لیے امن ورافت اور اعتماد و یقین کا مجسمہ بنا دیتی ہیں''۔ (تفسیر تبصرہ: جلد 2)

میاں بیوی ایک دوسرے کے رازداں

میاں بیوی ایک دوسرے کے راز داں ہوتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کے اس انتہائی اہم پہلو کو سمجھنے کے لیے کائنات کے حسین ترین جوڑے کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولا علی سلام اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور ان سے کہا:

انی اشتکی صدری مما امد من الغرب

قالت وانا واللہ اشتکی یدی مما اطحن

من الرحا

''پانی کے ڈول کھینچ کھینچ کر میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ سیّدۂ کائنات سلام اللہ علیہا فرمانے لگیں میرے چکی چلانے سے ہاتھ درد کر رہے ہیں۔ مولا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے ان سے کہا آپ حضور ﷺ کے پاس جائیے اُن کے پاس کچھ قیدی غلام آئے ہیں وہاں جائیے ممکن ہے وہ آپ کو کوئی خادم عطا فرما دیں۔ سیّدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے فرمایا یہ بات سن کر میں رسول کریم ﷺ کی جانب چل پڑی''۔

اس طویل روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں کہ شام کے وقت رسول کریم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ''تم میرے پاس آئے تھے تاکہ میں تمہیں ایک خدمتگار دوں، مگر میں تمہیں وہ چیز بتاؤں گا جو تم دونوں کے لیے بہتر ہو۔ ہر نماز کے بعد دس بار اللہ کی حمد کیا کرو، دس بار اس کی تسبیح اور دس مرتبہ ہی اس کی کبریائی بولا کرو اور جب تم رات کو بستر پہ آؤ تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اس طرح یہ تعداد سو ہو جائے گی۔ مولا علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اس کے بعد کبھی میں نے یہ وظیفہ ترک کیا ہو۔ (مسند البزار)

میاں بیوی کے تعلقات کس نوعیت کے ہوں مفتی محمد لیاقت علی نقشبندی صاحب اس روایت سے خوبصورت معانی کشید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میاں بیوی کے باہمی تعلقات ہمدردی، خلوص، محبت اور ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے کے جذبات پر مبنی ہونے چاہییں۔ جس گھر میں خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے مزاج شناس نہ ہوں یا ایک دوسرے کی تکلیف سمجھنے سے عاری ہوں اس گھر میں سب کچھ ہوسکتا ہے مگر سکون نہیں اس کے برعکس جہاں گھر کے افراد اپنے غموں کا ایک دوسرے کے سامنے کھل کے اظہار کر سکیں وہ گھر حُسن معاشرت کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس حدیث میں مولائے کائنات کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کتنے مان کے ساتھ اپنی تکلیف سیّدۂ کائنات سلام اللہ علیہا سے بیان کر رہے ہیں پھر باہمی تعلق ٹھیک ہونے کا کتنا خوبصورت نتیجہ انہیں

ملا کہ آقائے دوجہاں نے نہ صرف انہیں بلکہ ان کی وساطت سے اپنی پوری امت کو دکھ درد سے نجات پانے کا انتہائی مؤثر وظیفہ ''تسبیح فاطمہ'' کی صورت میں عطا فرما دیا۔

(راحت جان مصطفی ﷺ)

سب کے سامنے بیوی کو عزت دینا

خیبر سے واپسی پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ '' پھر ہم مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لیے عبا اونٹ کی کوہان میں باندھ دی تا کہ پیچھے سے وہ اسے پکڑے رہیں اور اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ کر اپنا گھٹنا اس پر رکھا اور صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر سوار ہوئیں۔

(صحیح بخاری:4211)

اس حدیث سے ہم یہ بات سیکھ سکتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے بیوی کے لئے سہولت پیدا کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے۔کافی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ اچھے کاموں میں رکاوٹ کا سبب بن جاتا ہے۔ایسے لوگوں کو یقیناً اصلاح کی ضرورت ہے جو مرد کو صرف اس بنیاد پر رن مرید ہونے کا طعنہ دے دیتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سب کے سامنے اُس کے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے۔سب کے سامنے اپنی بیوی کو عزت دینا رسول کریم ﷺ کی مبارک سنت ہے۔رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں''۔

(سنن ابن ماجہ:1977)

ایک دوسری حدیث میں خاص طور پر عورتوں کا ذکر بھی ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

خیارکم خیارکم لنسائھم

''تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہوں''۔

(سنن ابن ماجہ:1978)

شوہر کی رضا حصول جنت کا ذریعہ

خواتین کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے شوہروں کے ساتھ اچھے سے پیش آئیں۔فرائض پورا کرنے والی خاتون سے اس کا شوہر راضی ہو تو اللہ تعالی اسے جنت کا انعام عطا فرماتا ہے۔رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ، وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الْجَنَّةَ

''جو عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی''۔

(ترمذی:1161)

خاندان کے لوگوں کا کردار

بدقسمتی سے میاں بیوی کی لڑائی میں ان کا اپنا کردار کم ہوتا ہے دونوں خاندانوں کے بعض افراد کا کردار زیادہ ہوتا ہے۔شوہر کے خاندان والے اس کے خیر خواہ بن کر فساد کا سبب بنتے ہیں اور بیوی کے خاندان والے اس کے خیر خواہ بن کر فساد کا سبب بنتے ہیں۔ میاں بیوی اگر الگ گھر میں رہ رہے ہوں تو ایک طرف سے لوگ آتے ہی ناصحانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ ایسے کر لیں وہ ویسے کر لیں۔ میں ویسے بولتا نہیں ہوں تمہیں اپنا سمجھتا ہوں تو اس لیے بتا رہا ہوں وغیرہ وغیرہ اگلے بندے کی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ میاں بیوی آپس میں خوش ہوتے ہیں چند لمحوں کے لیے باہر سے آنے والے شخص کا اپنی طبیعت پر کنٹرول کرنے کی بجائے، خیال یہ ہوتا ہے کہ میں جب تک یہاں موجود ہوں میرے مزاج کے خلاف کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری طرف اگر بیوی منفی سوچ کو جھٹک بھی دے تو اس کے رشتے دار اسے جھٹکنے نہیں دیتے۔ ایسا تھوڑا ہی ہوتا ہے، ویسا تھوڑا ہی ہوتا ہے، ہم کھانے کے محتاج نہیں ہیں لیکن بات اصول کی ہے اس کے گھر والے آتے ہیں تو دہی بھلے کھلائے جاتے ہیں اور ہمیں گول گپوں پر ٹرخا دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، جب تک اپنی بہن بیٹی کا دماغ خراب نہ کر دیں چین اور سکون نہیں ملتا۔ خاندان والوں کو چاہیے کہ وہ کردار اختیار کریں جو قرآن کہتا ہے کہ اگر لڑائی کی آگ بھڑک بھی جائے تو تم اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرو، نہ کہ اسے مزید بھڑکاؤ۔

میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ان دونوں کے خاندانوں کا کردار کیا ہونا چاہیے، سورۃ نساء کی آیہ کریمہ نمبر 35 راہنمائی کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہوتا ہے:

''اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے مقرر کر لو، اگر دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا''۔

اس آیت میں خاص اشارہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے خاندان والے صلح کروانا چاہیں تو اللہ تعالی ان کی مدد کرے گا اور صلح ہو جائے گی۔اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن، حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب دامت برکاتھم العالیہ رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید کی یہ آیت خاندانی معاشرت کو مضبوط کرنے کے لیے مصالحتی عدالت کے قیام کی تحریص دلاتی ہے۔کہا یہ جا رہا ہے کہ اگر تم محسوس کرو کہ میاں بیوی کے درمیان تنازع جنم لے رہا ہے تو معاشرتی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ناچاقی کی وجوہات معلوم کر کے موافقت کا راستہ تلاش کیا جائے۔اس عظیم اور فضیلت مآب منزل کے حصول کے لیے دورکنی مصالحتی عدالت قائم کی جائے۔ ایک نمائندہ خاوند کے خاندان سے لیا جائے اور دوسرا عورت کے خاندان سے چنا جائے۔ اگر ''حکمین'' نیک نیتی سے کام کریں گے تو اللہ مدد فرما دے گا۔

مفسرین کی یہ رائے ایک حقیقت پر مبنی ہے کہ خاندان کا ماحول احساس اور محبت کا مرکز ہوتا ہے۔عام جرائم کی عدالتوں میں پہنچ کر اس اساس کو مضبوط نہیں، کمزور کیا جا سکتا ہے اس لیے کوشش کی جائے کہ خاندانوں کی سطح پر ہی ہمدردی کے جذبہ سے مسئلہ کا حل تلاش کر لیا جائے۔رازوں کے کھل جانے سے تو انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھے گی، فیصلہ کا قرآنی راستہ کثیر اخراجات اور پریشانیوں سے بچا سکتا ہے۔اس طرح کم وقت میں سنگین مسائل کی ظلمتوں سے نکالا جا سکتا ہے''۔

(تفسیر تبصرہ)

بقیہ صفحہ نمبر 38 پر

کمالِ علم و معرفت

محمد بن علوی المالکی الحسینی

بلاشبہ حضور پرُنور ﷺ وسیع علم رکھنے والے اور بہت بڑی فہم وسمجھ کے مالک تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورِ اقدس پر نافعہ اور بہت بڑے عظیم الشان علوم کی بوچھاڑ فرمادی اور معارف عالیہ کثیر ووافر مقدار میں عطا فرمائی۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے حضور پرُنور ﷺ کے علم کی وسعت کا اعلان فرمایا اور حضور پرُنور ﷺ کی فضیلت وعظمت کو سکھایا۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما

''اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے''۔

چنانچہ حضور پرُنور ﷺ تمام مخلوق سے سب سے بڑھ کر عالم اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے تمام لوگوں سے زیادہ عارف ہیں جیسا کہ بخاری اور مسلم شریف میں وارد ہے کہ حضور پرُنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ تم میں سے سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اور اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی ذات اقدس کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں''۔

اور علامہ اصیلی کی روایت میں ہے:

''میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور اس کی معرفت والا ہوں''۔

اور جو شخص اللہ جل شانہ کی ان تعلیمات وارشادات میں غور وتدبیر اور فکر کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں اور انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کو ارشاد فرمائی ہیں اور جو کہ قرآن مجید فرقان حمید میں وارد ہیں تو ایسے شخص کے لئے یہ بات اظہر من الشمس ہوجائے گی کہ اللہ جل شانہ نے حضور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس کو بہت زیادہ علوم سکھائے جو کہ وافر مقدار میں جامع ترین اور سب سے بڑھ کر عام اور زیادہ ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وعلمک مالم تکن تعلم

''اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے''۔

چنانچہ مذکورہ آیت شریفہ میں لفظ ''ما'' آیا ہے جو کہ عموم اور شمول کے لیے ہے تاکہ حضور پرُنور ﷺ کی ذات گرامی کو وہ تمام علوم حاصل ہوں جو کہ اللہ نے اپنے رسولوں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سکھائے اور ''ما'' کا لفظ ایسے علوم وفنون کو بھی شامل ہو جو ان انبیاء ورسل کے علاوہ اور سوا حضور پرُنور ﷺ کو اللہ جل شانہ نے سکھائے۔

چنانچہ صحیحین میں ہے اور حدیث پاک کے لفظ مسلم شریف میں مروی ہیں:

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور پرنور ﷺ سے سوالات دریافت کیے حتیٰ کہ انہوں نے حضور سرور عالم ﷺ سے سوالات کی بوچھاڑ کردی یعنی بہت سے سوالات دریافت کیے۔

چنانچہ حضور پرُنور ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہوگئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سلونی لاتسالونی عن شیٔ او لا بینہ لکم

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور پرُنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سلونی لا تسئلونی عن شی ء الا اخبرتکم بہ مادمت فی مقامی ھذا

اور اس حدیث پاک میں ہے کہ حضور پرُ نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آج کے دن کی طرح میں نے خیر وشر کو نہیں دیکھا۔ بلاشبہ جنت ودوزخ اپنی اصل شکل وصورت میں مجھے دکھائی دی اور میں نے اس دیوار کے پیچھے جنت ودوزخ کو ملاحظہ کیا''۔

اور یہ بات بھی حضور پرُنور ﷺ کے علم کی وسعت اور کشادگی میں سے ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضور پرُنور ﷺ کی گرامی قدر ذات کے لیے قرآن مجید کے جملہ علوم اور حقائق کو مجتمع فرمادیا۔

چنانچہ قرآن مجید علوم ومعارف کا سمندر اور بحر بیکراں ہے چنانچہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر اور تشریح پر گفتگو کرنے لگوں تو میں اس کی تفسیر کی کتابوں سے ستر اونٹوں کا بوجھ اور ثقل تیار کردوں تو حضور پرُنور ﷺ کے علوم اور آپ کے مفاہیم قرآنیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

اور حضور پرُنور ﷺ کے علوم کی وسعت اور کشادگی میں سے یہ امر بھی ہے کہ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سے غیبی علوم پر مطلع فرمایا ہے چنانچہ حضور کے عالم الغیب ہونے کے بارے میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول

''غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔

اور بلاشبہ اللہ جل شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سے غیبی علوم پر مطلع فرمایا اور ان غیبی علوم کے واقف وعالم تھے۔ ان جملہ کثیر اور بہت زیادہ علوم میں سے یہ امر بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کو مخلوق وکائنات کی ابتداء آفرینش اور تخلیق کے شروع ہونے سے آگاہ فرمایا حتیٰ کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوگئے اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہوگئے جیسا کہ اس پر بخاری شریف کی وہ روایت دلیل ہے جو کہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضور پرُنور ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوگئے اور حضور سرور عالمیان ﷺ نے ہمیں مخلوق وکائنات کی پیدائش وابتداء کے بارے میں ہمیں ارشاد فرمایا۔ حتیٰ کہ اہل جنت جنت میں داخل ہوگئے اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہوگئے اور اس کو جس شخص نے یاد کرنا تھا یاد کرلیا اور جس نے اس

کو بھلانا تھا اس نے اس کو بھلا دیا۔

اور بخاری و مسلم شریفین میں سیدنا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضور پُرنور ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوگئے چنانچہ آپ نے قیامت کے قائم ہونے تک تمام پیش آنے والے واقعات و حالات کا تذکرہ فرمایا۔

چنانچہ اس بات کو جس شخص نے جاننا تھا جان لیا اور جس شخص نے اس طرح کے امور سے ناواقف رہنا تھا وہ اس سے ناواقف رہا۔ سیدنا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ کے بیان فرمانے کے بعد میں کبھی کبھی کسی چیز کو بھول جاتا لیکن بعد میں میں اس چیز کو یوں پہچان لیتا تھا جیسا کہ ایک شخص دوسرے آدمی کو پہچان لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے غائب ہو اور وہ اس کو دیکھتے ہی پہچان لے۔

جیسا کہ حضور پُرنور ﷺ نے قیامت تک پیش آنے والے واقعات و حالات جو کہ آپ کے وصال شریف کے بعد پیش آنے والے تھے ان سب کے بارے آگاہ فرمادیا۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں سیدنا حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضور سرور عالمیان ﷺ نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور بعد ازاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر شریف پر چڑھ گئے اور ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آگیا۔ آپ نے خطبہ دینا چھوڑا اور منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر چڑھ گئے اور آپ نے خطبہ ارشاد فرمانا شروع فرمایا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے نیچے تشریف لائے اور آپ نے نماز ادا فرمائی۔ بعد ازاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ دینا شروع کیا۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیامت تک پیش آنے والے واقعات و حالات سے آگاہ فرمایا۔

تو ہم میں سے بہت زیادہ جاننے والا شخص ان امور کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا تھا۔

چنانچہ حضور پُرنور ﷺ کی ذات گرامی نے قیامت تک پیش آنے والا کوئی ایسا واقعہ نہ چھوڑا جس کی اطلاع اور خبر نہ دی ہو اور ابو داؤد نے سیدنا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ سیدنا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے دوست خود بھول گئے ہیں یا کہ انہیں بھلا دیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم حضور سرور عالمیان ﷺ نے دنیا کے اختتام اور قیام تک کے فتنہ و آزمائشوں کے بارے میں اور فتنہ برپا کرنے والے افراد سے متعلق آگاہ فرمایا۔ ایسے فتنہ پردازوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر اور زائد تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے نام بھی بتائے۔ ان کے والد کے نام بھی بتائے اور اس فتنہ پرداز کے قبیلہ کے نام بھی گن کر سنائے۔ اسی طرح حضور پُرنور ﷺ کے ارشاد گرامی میں وارد ہے کہ آپ نے قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کی تمام علامتوں اور نشانیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ حتیٰ کہ قیامت وسطیٰ کی علامتوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ نیز حضور سرور عالم ﷺ نے آخرت کے احوال اور برزخ کے بارے میں بھی مطلع فرمایا۔

حضور پُرنور ﷺ نے اہل جنت کے احوال، اہل دوزخ کے حالات اور ان کے امور کی تمام تفاصیل ارشاد فرمائیں جیسا کہ یہ امر سنت کی کتب میں واضح اور بین ہے اور اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات اقدس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس قدر وافر مقدار میں علوم و معارف وافر مقدار میں عطا فرمائے ہیں۔

چنانچہ حضور پُرنور ﷺ کے علوم و معارف میں سے ایک ادنیٰ امر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہ نے حضور پُرنور ﷺ کی ذات اقدس کو تمام عوالم پر اطلاع اور خبر عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ حدیث معراج شریف میں صحیح ثابت و واضح ہے اور وہ یوں کہ حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات کو سات آسمانوں کی معراج کرائی گئی اور آپ ان سات آسمانوں میں یکے بعد دیگرے داخل ہوئے اور ان کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ ملاحظہ کرنا تھا اس کو ملاحظہ فرمایا اور دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات فرمائی۔

جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم عرش پر مطلع فرمایا اس امر کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرش کی وسعت و کشادگی کو واضح فرمایا اور اس بات کو اظہر من الشمس فرمایا کہ عرش تمام عالمین جہانوں سے سب سے زیادہ وسیع ہے۔

اسی طرح عرش کے بارے میں حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے عرش کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ یہ ارشاد فرمایا کہ عرش کا سایہ ہے اور عرش کے پاؤں ہیں اور عرش کے خزانے ہیں۔

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کے بارے میں کلام اور گفتگو فرمائی اور عرش اٹھانے والے فرشتوں کے بارے میں کلام فرمایا اور ان کی عظمت و طاقت پر کلام فرمایا۔

جیسا کہ مسند شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا محمد النبی الامی ولا نبی بعدی قالیھا ثلاثا، او تیت فواتح الکلم و خواتمہ و علمت کم خزنة النار و حملة العرش

"الحدیث"

اسی طرح یہ بھی وارد ہوا ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم جنت و عالم دوزخ پر بھی مطلع فرمایا اور کئی متعدد مواقع و منازل پر جنت و دوزخ کی شکل و صورت حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں بطور مثال پیش ہوئیں۔

مثلاً جنت کے بارے میں حدیث معراج میں وارد ہے کہ حضور نے فرمایا:

ثم ادخلت الجنة فاذا فیھا حنا بذا الو لؤ و اذا ترابھا المسک الاذخر

اسی طرح حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عالم جنت و عالم دوزخ پر بھی مطلع فرمایا اور کئی متعدد مواقع و منازل پر جنت و دوزخ کی شکل و صورت حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں بطور مثال پیش ہوئیں۔

مثلاً جنت کے بارے حدیث معراج میں وارد ہے کہ حضور نے فرمایا:

ثم ادخلت الجنة فاذا فیھا جنا بذ الو لؤ و اذا ترابھا المسک الاذخر

اسی طرح حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی گرامی قدر ذات کو اللہ جل شانہ نے عالم برزخ پر بھی مطلع فرمایا۔ عالم برزخ کے لوگوں کے احوال پر بھی اور ان کے حالات پر بھی نیز حضور کو عالم حشر کے لوگوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا گیا۔

نیز عالم حشر میں جو لوگ تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے حالات و واقعات کیسے ہیں۔ اللہ نے عالم عرض پر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمایا۔

نیز صحائف کے حساب کتاب، حساب، میزان،

صراط کے بارے میں آگاہی بخشی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل جنت کے احوال اور اہل دوزخ کے حالات سے بھی آگاہی بخشی۔ چنانچہ حضور پُرنور ﷺ نے ان تمام عالمین اور جہانوں کے بارے میں گفتگو فرمائی اور ان عالمین کے فیصلوں سے متعلق بھی ارشادات فرمائے۔

جیسا کہ حضور پُرنور ﷺ کی حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عوالم علویہ پر بھی مطلع فرمایا اور ملاء اعلیٰ کے درمیان جو کچھ جاری وساری اور جو کچھ جھگڑے ہورہے ہیں ان کے بارے میں بھی مطلع فرمایا۔ خصوصاً کفارات اور درجات کے موضوع پر جس قدر جھگڑے ہورہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سب کا علم ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گرامی قدر ذات اقدس کے لیے تمام اشیاء متجلی ہوگئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام اشیاء اور جملہ چیزوں کو پہچان لیا۔

جیسا کہ اس حدیث پاک میں ہے کہ جسے امام ترمذی اور امام احمد وغیرہ نے روایت فرمایا ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ساری رات نماز نفل پڑھتا رہا اور جو کچھ میرے مقدر وقسمت میں تھا میں نے نماز ادا فرمائی۔

فنعست

حتیٰ کہ میں نے اپنی طبیعت کو ثقیل اور بوجھل محسوس کیا۔ چنانچہ میں نے اپنے پروردگار اللہ ربّ العزت کو دیکھا تو میرے پروردگار نے مجھے فرمایا یا محمد ملاء علیٰ کس چیز میں جھگڑا کر رہے ہیں تو میں نے بارگاہ ربّ العزت میں عرض کیا کہ مجھے علم نہیں ہے اور اسی روایت میں یوں ہے کہ اللہ جل شانہ عم نوالہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر علوم ومعارف کے انوار و تجلیات وافر مقدار میں عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے تمام اشیاء اور ساری چیزیں متجلی وواضح ہوکر سامنے آگئیں اور میں نے ہر چیز کو اچھی طرح جان پہچان لیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ تھا وہ میں نے اچھی طرح جان لیا اور اس کا مجھے علم ہوگیا اور طبرانی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے مجھے ہر چیز کا علم سکھادیا اور طبرانی شریف ہی کی روایت میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کیا اس کو میں نے اچھی طرح جان لیا۔ پھر اللہ جل شانہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے محمد ﷺ ملاء اعلیٰ کس چیز کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے پروردگار فرشتے کفارات اور درجات میں باہم جھگڑا کررہے ہیں۔ الحدیث

اور حضور پُرنور ﷺ کے علوم ومعارف کی وسعت وفراخی میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ آپ کو مخلوقات کی اصناف واقسام کا علم تھا اور حیوانات کی امتوں کی انواع آپ کو اچھی طرح معلوم تھیں۔ نیز ان کے احکام واشکال اور صورتیں اور ان کے امور کی تفصیل سے حضور پُرنور ﷺ آگاہ تھے۔

چنانچہ طبرانی شریف میں صحیح اسناد اور رجال صحیح سے سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات نے ہمیں اس حالت میں چھوڑا کہ اگر آسمان میں کوئی پرندہ اپنے دو پروں سے اڑتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پرندے کے بارے میں بھی ہمیں علم اور معلومات بہم پہنچائیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے کہ سیدنا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس حالت میں چھوڑا کہ اگر آسمان میں ایک پرندہ بھی اپنے دو پروں کو حرکت دیتا تو اس سے متعلق بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں معلومات بہم پہنچائیں۔

تاہم طبرانی شریف نے اپنی روایات میں اس قدر زیادہ ذکر کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''ہر وہ چیز جو کہ جنت سے قریب کرتی اور دوزخ سے دور کرتی ہو وہ میں نے تمہیں کھول کھول کو بیان وعیاں کردی ہے اور میں نے اسے تمہارے لیے اظہر من الشمس کردیا ہے''۔

چنانچہ حضور پُرنور ﷺ نے پرندہ اور ہر اڑنے والے جانوروں کے موضوع پر بھی بہت بڑا علم اور معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کی ذات کو تمام جہانوں کی اصناف واقسام کے گردونواح کا علم اور معلومات مہیا تھیں۔

نیز اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے انتہائی اہم اور ضروری امور کو عیاں اور واضح فرمادیا ہے۔ خصوصاً ایسے امور ومعاملات جو کہ عالم اور دنیا کی حکمتوں اور دانائیوں سے متعلق ہیں اور ایسے اہم و لازمی امور جو کہ تمام اور ہر قسم کی وجوہ اور اعتبارات سے انسان وبشر کی سعادت اور خوش قسمتی سے متعلق ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات اقدس نے پرندوں کے عالم اور جہان کو بھی اپنے ذکر میں شامل فرمایا ہے تو آپ کی ذات اقدس سے اس امر کا تصور اور خیال کیوں کر ہوسکتا ہے کہ آپ نے بشر وانسان کی مصالح اور حکمتوں کو چھوڑ دیا ہو یا کسی بھی لحاظ سے ترک کردیا ہو اور اس کے ذکر کو خاطر میں نہ لائے ہو۔ اس کی بجائے حضور پُرنور ﷺ نے پرندوں وطیور کے عالم کا ذکر فرمایا ہو اور ان کے احکامات کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہوں۔

نہیں نہیں ہرگز نہیں! حضور پُرنور ﷺ نے تمام اصلاحی اطراف ونواحی اور اقسام کو بیان فرمایا اور بشر و انسان کی سعادت وخوش بختیوں کو واضح فرمایا ہے۔

نیز یہ کہ حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات کے علوم ومعارف کے سمندروں کا احاطہ صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کی ذات ہی کرسکتی ہے۔ وہ ذات الٰہی جس نے حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات اقدس کو علوم ومعارف وافر مقدار میں عطا فرمائے ہیں۔

چنانچہ بخاری ومسلم شریف وغیرہ میں ہے اور حدیث ہٰذا میں لفظ بخاری شریف کے ہیں۔ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور ﷺ اس وقت باہر تشریف لے گئے جب کہ سورج

زاغت الشمس

تو حضور پُرنور ﷺ کی گرامی قدر ذات اقدس نے نماز ظہر ادا فرمائی۔ پس جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام پھیرا تو آپ منبر پر کھڑے ہوگئے اور آپ نے قیامت کا تذکرہ فرمایا نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کا ذکر فرمایا کہ قیامت سے پہلے بہت بڑے امور واقع پذیر ہوں گے۔ بعد ازاں حضور پُرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من احب ان یسال عن شی ئ فلیسال عنه فو اللہ لا تسالونی عن شی ءای عن اشی ئ کان الا اخبر تکم به ما دمت فی مقامی هذا

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت زیادہ رونا شروع کردیا اور حضور پُرنور ﷺ نے بکثرت اور بار بار یہ ارشاد فرمانا شروع فرمایا کہ تم مجھ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرو جو تمہاری مرضی ہو اور تمنا وآرزو۔

بقیہ: صفحہ نمبر 40 پر

ماسٹر احسان الٰہی

امیرِ ملت

پیر سید جماعت علی شاہ

رحمۃ اللہ علیہ

ولی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں دوست یعنی اللہ کا دوست ۔ انبیاء کرام، اصحاب کرام، تابعین اور تبع تابعین، خلفائے راشدین کے بعد اشاعتِ اسلام اور ترویج دین متین کی ذمہ داری اولیاء اللہ نے نبھائی ۔ ان ہستیوں کے نام اور ان کی بتائی ہوئی تعلیمات دنیا میں ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں اور ان کے مزارات آج بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں لوگوں کو اپنی جانب مائل کیے ہوئے ہیں ۔ ان پاکباز اور روحانی ہستیوں نے عوام الناس کی بھلائی، فلاح اور ان کی زندگی سہل بنانے کی کوششیں کیں اور اللہ کے پیغام اور آخری نبی ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو لوگوں تک پہنچایا ۔ تاریخی اعتبار سے تصوف کے چار بڑے سلسلے سامنے آتے ہیں جن کا شجرہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ملتا ہے ۔ ان میں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ شامل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے مختلف ادوار میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رسول بھیجے ۔ یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ تک جاری وساری رہا اور آخر میں حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر قیامت تک کے لیے یہ سلسلہ بند کر دیا کیونکہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء قرار پائے ۔ اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور اولیائے کرام مختلف اوقات میں تبلیغ اسلام کے لیے خدمات سرانجام دیتے رہے ۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک مختصر سے امتحان کے لیے دنیا میں بھیجا ہے اور اسے تمام مخلوقات سے اشرف، اعلیٰ اور ارفع قرار دے کر ہر چیز کو اس کے تابع کر دیا ہے اور انسان کو ہر طرح کی لا متناہی اور لاتعداد نعمتوں سے نوازا اور ساتھ یہ بھی حکم صادر فرما دیا کہ یہ سب کچھ عارضی ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و ترقی میں بزرگانِ دین کا کردار بڑا اہم ہے ۔ جن کی بدولت یہ خطہ اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہوا ۔ اسی وجہ سے صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کا بہت زیادہ اثر ہمیں برصغیر پاک و ہند میں نظر آتا ہے ۔ انہی بزرگانِ دین میں پیران پیر حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی، خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی سنجری اجمیری، حضرت بختیار کاکی، حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت علاؤ الدین احمد صابر کلیری، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت عبد اللہ شاہ غازی، حضرت سلطان باہو، حضرت داتا گنج بخش، حضرت سید عثمان مروندی المعروف حضرت شہباز قلندر، حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی، حضرت بری امام سرکار، حضرت بو علی قلندر پانی پتی، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ رکن الدین عالم، حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری، حضرت جہانیاں جہاں گشت، حضرت شاہ شمس تبریزی، حضرت میاں میر، حضرت مادھو لال حسین، حضرت بابا بلھے شاہ، حضرت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی شب و روز محنتوں کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں ۔ برصغیر کو اولیائے کرام کی سرزمین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا جہاں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ڈیرے ہیں ۔ ان کا وجود مسعود بنی نوع انسان کی ایک کثیر تعداد کو گمراہی کی دلدل سے نکالنے اور مرزائیت وقادیانیت سے سرزمین پاک و ہند کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بنا ۔

پاکستان کا خطہ بہت بابرکت ہے اور یہاں کے باسی بہت خوش بخت ہیں ۔ یہ دھرتی ایسی لاتعداد روحانی ہستیوں کا مسکن بنی جو انسانوں کے لیے خدا کی رحمتوں کا نشان ہیں ۔ آج ان کے آستانوں پر لوگ جوق در جوق آتے ہیں اور اپنی عقیدتوں کا اظہار کرتے ہیں اور روحانی فیوض و برکات کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں ۔ یہاں ہر امیر اور غریب کو بغیر کسی تفریق کے لنگر بھی ملتا ہے ۔ ان عظیم المرتبت اور جلیل القدر روحانی ہستیوں کا پیغام کسی خاص قبیلے، قوم یا خطے تک محدود نہیں بلکہ ان روشن نظر، اعلیٰ ظرف، وسیع القلب ہستیوں کا پیغام اور فیضان سب انسانوں کے لیے خیر و فلاح کا ذریعہ ہے ۔ تمام اولیاء وصوفیاء با کمال ہیں لیکن آج جس عظیم ہستی کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ دنیائے اسلام کی عظیم روحانی شخصیت بانیٔ تحریک پاکستان ابو العرب حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو ایک ذات میں پوری جماعت تھے اور اسم بامسمّیٰ جماعت علی تھے ۔ ان کے زہد و تقویٰ، ان کی سخاوت اور ملک و ملت کے لیے کارہائے نمایاں کے تذکرہ کے لیے ایک ضخیم کتاب اور دفتر کے دفتر درکار ہیں ۔

سید جماعت علی شاہ 1834ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے ۔ امیر ملت علیہ الرحمہ کے والد گرامی حضرت پیر سید کریم شاہ خود بھی ولیٔ کامل اور عامل باصفا تھے ۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں ۔ آپ کا سلسلہ نسب اڑتیس واسطوں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور ایک سو اٹھارہ واسطوں سے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے ۔ امیر ملت نے سات سال کی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا ۔ دینی علوم مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری دیوبندی سے حاصل کیے ۔ سندِ حدیث علماءِ پاک و ہند کے علاوہ علماء عرب سے بھی حاصل کی ۔ علومِ ظاہری کے بعد آپ فیوضِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے تو امام الکاملین قطب زماں بابا جی فقیر محمد چوراہی کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہو کر اسی وقت خرقۂ خلافت سے نوازے گئے ۔ اس پر مریدین نے اعتراض کیا تو بابا جی فقیر محمد نے فرمایا کہ جماعت علی چراغ بھی ساتھ لایا تھا، تیل بتی اور دیا سلائی بھی اس کے پاس موجود تھی

میں نے توصرف اس کو روشن کیا ہے۔امیرِ ملت سید جماعت علی نے پچاس سے زیادہ حج کیے۔سینکڑوں مسجدیں بنوائیں اور بے شمار دینی مدارس قائم کیے۔

سنوسئ ہند امیرِ ملتِ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری دنیائے اسلام کے وہ مایۂ ناز فرزند اور سپوت ہیں جنہوں نے اسلام کی سر بلندی، شریعت کی بالادستی اور دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کرنے کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ شہرتِ عام اور بقائے دوام کی حامل ہیں۔آپ نے دنیا کی ہر مسلم مفاد تحریک میں بھر پور کردار ادا کیا اور امتِ مسلمہ کی راہنمائی کی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، مردانِ حق، حق وصداقت کا علم بلند کر کے ہی دم لیتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان اور قیام پاکستان میں آپ کی خدمات تاریخ پاکستان کا سنہرا باب ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔آپ نے تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کے لیے اس دور میں لاکھوں روپے دیے اور اس کے علاوہ ہزاروں علماء و مشائخ کو متحد کر کے تحریک پاکستان میں ہراول دستے کا مجاہدانہ کردار ادا کیا۔قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور خود قائداعظم علیہ الرحمہ ان کے پاس بھی تشریف لے جاتے۔مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک کے دنوں میں آپ نے ہندوؤں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور برہمنوں کے پراپیگنڈے کا سد باب کرنے کے لیے مبلغین کی ایک جماعت تیار کی جس نے قریہ قریہ، شہر بہ شہر اور کوچہ بہ کوچہ گھوم کر تبلیغ اسلام کی۔1935ء میں مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں راولپنڈی شہر میں عظیم الشان اور فقید المثال جلسے کا انعقاد ہوا جس میں پیر صاحب کو امیر ملت کے لقب سے نوازا گیا جو بعد میں عرفِ عام ہو گیا۔آل انڈیا سنی کانفرنس کے سر پرست اور روحِ رواں تھے۔1885ء میں لاہور انجمن نعمانیہ کی بنیاد رکھی اور 1901ء میں انجمن خدام الصوفیا کی بنیاد رکھی۔علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مفکر پاکستان کو امیر ملت سے گہری عقیدت تھی۔ایک بار امیر ملت کی صدارت میں انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہو رہا تھا۔جلسہ گاہ میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔علامہ اقبال ذرا دیر سے آئے اور امیر ملت کے قدموں میں بیٹھ کر کہا:

''اولیاء اللہ کے قدموں میں جگہ پانا بڑے فخر کی بات ہے''۔

یہ سن کر امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جن کے قدموں میں ''اقبال'' آ جائے،
اس کے فخر کا کیا کہنا''۔

علامہ اقبال کے آخری ایام کا ذکر ہے، ایک محفل میں امیر ملت نے فرمایا۔اقبال! آپ کا ایک شعر ہمیں بے حد پسند ہے پھر یہ شعر پڑھا:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ اقبال کی اس موقع پر خوشی دیدنی تھی چنانچہ علامہ صاحب نے کہا:

''ولی اللہ کی زبان سے ادا ہونے والا میرا شعر میری نجات کے لیے کافی ہے''۔

تاریخ کے اوراق کو اگر کھنگالا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسانی معاشرہ ہمیشہ سے مادی آلائشوں اور اخلاقی رذائل کے باعث ابتری کا شکار ہو رہا ہے۔معاشرے میں پھیلی ان ذہنی آلائشوں، علمی کثافتوں اور فکری غلاظتوں کی بیخ کنی کے لیے کسی نہ کسی عظیم ماں کی گود سے ایک ایسا گوہر نایاب اور ایک ایسا مردِ قلندر جنم لیتا ہے جو پیغمبرانہ ورثہ کے امین ہونے کی حیثیت سے معاشرے میں پھیلی فکری و علمی غلاظتوں اور آلائشوں کو سیرت طیبہ کی روشنی میں نظافتوں میں بدل دیتا ہے۔اور انسان کے دل و دماغ کو معطر و معنبر کر دیتا ہے۔امت میں ایسی عبقری اور نابغۂ روزگار ہستیاں صدیوں بعد جنم لیتی ہیں۔اقبال کی فکر میں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ان روحانی اور پاکباز ہستیوں کے وجود مسعود سے علم و معرفت، حکمت و دانش اور فہم و فراست کے وہ چشمے پھوٹتے اور چراغ روشن ہوتے ہیں جن کو مشعل راہ بنا کر بھٹکی ہوئی امت منزل کا سراغ پا لیتی ہے۔حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ کا شمار بانیان پاکستان میں ہوتا ہے۔تحریک پاکستان کی تاریخ کا جب حوالہ آتا ہے تو ذہن خود بخود حضرت امیر ملت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔اگر پاک سرزمین، کشور حسین، مرکزِ یقین اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سرزمین پر آستانہ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم کسی ہندو بنیے کے غلام یا کسی گورے کے گھر کا جھاڑو پوچا کرتے دکھائی دیتے۔آج ہم چوہدری کی بجائے کمی کمین، خان کی بجائے کسی ہندو بنیے کے نوکر، زرداری کی بجائے بندر نچانے والے مداری، شریفین کی بجائے کسی بس یا ریل گاڑی میں چورن فروش، پروفیسر کی بجائے چپڑاسی، فیکٹری اونر کی بجائے دو ٹکے کے ملازم اور بوٹ پالش کرنے والے ہوتے۔یہ تو امیر ملت کا ہم پر عظیم احسان ہے کہ ہمیں آزاد وطن کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کا موقع میسر آیا۔تحریک پاکستان کے ان روشن، درخشندہ، پاکیزہ، اجلے اور تابندوں کرداروں کو سلام جنہوں نے الگ وطن کے حصول کے لیے دامے، درمے اور قدمے حصہ لیا۔اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جنت الفردوس اور اعلیٰ علیین میں خاص مقام و مرتبہ سے نوازے اور ان کو کروٹ کروٹ آسودگی و راحت ارزاں کرے۔

آپ کے خلفا و صاحبزادگان آج بھی آپ کے مشن کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔آپ کے لاکھوں مریدین پوری دنیا میں موجود ہیں اور صدقہ جاریہ کے طور پر آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔امیر ملت علیہ الرحمہ کے جدِ اعلیٰ نے مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام مبارک کی مناسبت سے گاؤں کا نام علی پور سیداں رکھا اور آج آپ کے وجود مسعود اور مزارِ اقدس کی برکت سے پوری دنیا میں جانا جاتا ہے۔آپ کے سینکڑوں خلفاء پوری دنیا میں فیضان امیر ملت کو عام کرنے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں۔الغرض سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امیر ملت جیسے دیگر مردان حق نے کفر و ظلمت کے تاریک دور میں اپنے سوز باطنی سے ایمان کی غیر فانی شمعیں جلا کر تاریک دلوں میں نور عرفان کے جو فانوس روشن کیے ان کی مثال ناپید ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت اور تا ابد قائم و دائم رہے گا۔ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھا۔ان کی خانقاہیں نہ صرف علوم ظاہری کی یونیورسٹیاں تھیں بلکہ تہذیب، اخلاق اور تزکیۂ نفس کی تربیت گاہیں بھی تھیں اور ہر قسم کے جرائم کے عادی اور اخلاقی کوتاہیوں کے مرتکب جب ان قدسی نفوس کی خدمت اور صحبت میں آ جاتے تو حرف نگاہ فیض اثر سے ان کی کیفیت اور کایا پلٹ جاتی، دل بیدار ہو جاتے۔بقول اقبال

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

جادۂ حق

قسط۔دوم

محمد صدیق

بات ہو رہی تھی کہ صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان قدسی صفات لوگوں نے اپنے اپنے ادوار میں مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے مابین جاری تضاد کو ختم کرتے ہوئے ہمیشہ باہمی اُنس ومحبت، رواداری اور برداشت کے درس دیا ہے۔ ان لوگوں نے ہمیشہ اپنے اخلاق، اعمال، کردار اور اوصاف وکمالات کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا بیج بویا۔ جس کے نتیجے میں نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوگئیں، شدت پسند باہم شیر وشکر ہوگئے، تنگ نظری وسعت نظری میں تبدیل ہوگئی اور باہمی سلامتی اور بھائی چارے کا فروغ ہوا۔

اسی قافلے کے فردِ فرید سید ریاض حسین شاہ فرماتے ہیں کہ:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس کا نزول حضور ﷺ کے قلب منیر پر اس لیے ہوا کہ آپ اس کی تعلیم سے لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے فلاح اور اصلاح کی راہ ہموار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے رات دن محنت فرما کر خدا کے اس پیغام کو کماحقہ انسانوں تک پہنچایا۔ کتاب اللہ کے مطابق یہ بات مسلمہ ہے کہ حضور ﷺ ''خاتم النبیین'' ہیں اور آپ کا یہ وصف ''ختم نبوت'' جہاں آپ کی اس عظمت اور رفعت پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت تک کے ہونے والے انسانوں کے لیے رہبر اور راہنما آپ ہی ہیں وہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد تعلیم کتاب وتزکیہ قلوب کی کون سی صورت رہ جاتی ہے اور قیامت تک کے لیے دیئے گئے دین کا داعی کون ہوسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی اُمت کو بہترین اُمت قرار دیا ہے جس کی تشکیل لوگوں کے لیے کی گئی ہے اس لیے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم نیکی کے نظام کو پھیلانے اور برائی کے نظام کے خاتمے کے لیے اپنی مساعی کو بروئے کار لاکر بھٹکی ہوئی انسانیت کو حضور ﷺ کے اسوۂ اور قدوہ مبارکہ سے پیوست کریں۔

حقیقت دنیا

انسانی فطرت ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنی کامیابی کے لیے کوئی نہ کوئی مقصد تعین کرتا ہے اور پھر اس مقصد کے حصول کے لیے تگ ودو شروع کر دیتا ہے۔ ضروری ہے کہ انسان اپنے دنیاوی مقصد کی تکمیل کرتے کرتے زمینی دنیا میں کھو کو اپنی تخلیق کے اصل مقصد کو فراموش نہ کردے، یعنی اسے اچھی طرح معلوم ہو کہ اس کا دنیا میں آنے کا مقصد کیا؟ وہ دنیا میں کس مقصد کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے؟ لیکن انسان کی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ اس نے اپنے لیے جو کامیابی کا معیار مقرر کیا ہے اس کو دوام حاصل رہے مثلاً اگر ایک انسان نے اقتدار اور حاکمیت کا تصور کیا اور اس کو پالیا تو وہ کبھی نہیں چاہے گا اس سے اقتدار کی کنجیاں چھین لی جائیں، اسی طرح اگر کسی کے نزدیک مال ودولت کی فراوانی کامیابی کا معیار ہے تو وہ ہمیشہ چاہے گا اس سے کبھی محروم نہ ہو۔ اگر تجارت کے فروغ کو وہ کامیابی سمجھتا ہے تو خواہش رکھتا ہے کہ وہ برابر ترقی کرتی رہے، کبھی اس میں خسارہ نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

(آل عمران:14)

''آراستہ کر دی گئی لوگوں کے لیے عورتوں سے تکمیل خواہشات کی محبت اور بیٹوں اور تہ بہ تہ سونے اور چاندی کے ڈھیروں اور نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے یہ تو محض دنیوی زندگی کا سامان ہے اور حسین آماجگاہ تو اللہ کے پاس ہے''۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں تفسیر تبصرہ کے مؤلف رقم طراز ہوتے ہیں:

'' مسلمانوں کی تربیت کرتے ہوئے یہ آیت انہیں احساس دلاتی ہے کہ لوگوں کے لیے مبینہ مرغوبات کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے کلیتہً بچا تو نہیں جاسکتا لیکن مومنین نے ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی کہ مرغوبات اللہ کی محبت سے رخ نہ پھیر دیں۔ بصارت اور بصیرت کی خوبصورت علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو ہر چیز کی قیمت معلوم ہو۔ وہ ایمان کی فضیلت کو بھی سمجھتا ہو اور اس کو دنیا کا استعمال بھی آتا ہو، وگرنہ صحیح بات تو یہی ہے کہ اس کائنات میں انسانی زندگی کی ترقی اور نشوونما کے لیے ان میلانات کا موجود ہونا ضروری بھی سمجھا گیا ہے لیکن ستم یہ ہوگا کہ مقناطیس اور لوہے کی طرح ان مرغوبات اور شہوات سے چمٹ ہی جائے''۔

معلوم ہوا کہ ان نعمتوں کی افادیت اپنی جگہ مسلّم اور انہیں حیات دنیا کے لیے بہترین اسباب اور زینت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن انسان کی دانائی اور عقل مندی یہ ہے کہ وہ عارضی سامان زندگی اور اس کے اسباب پر نگاہ جمانے اور اکتفا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ان گنت اور لازوال نعمتوں کی طرف اپنی توجہ مرکوز رکھے اور دنیا کے ذریعے آخرت کے انعامات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک اور صالح لوگوں کے لیے محفوظ ہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فَوَاللّٰہِ مَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنِّی اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ الدُّنْیَا عَلَیْکُمْ کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا وَتُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ (المسلم)

''اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں (کہ تمھیں اس سے نقصان پہنچے گا) لیکن مجھے تم پر اس بات کا خوف ہے کہ دنیا اسی طرح تم پر کشادہ کردی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کردی گئی تھی۔ پھر تم اس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرو گے جس طرح ان لوگوں نے ایک دوسرے کا مقابلہ کیا اور یہ تمہیں بھی تباہ کردے گی جس طرح اس نے ان کو تباہ کردیا تھا''۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ الدُّنْیَا دَارٌ مُنِیَ لَھَا الْفَنَآءُ وَ لِاَھْلِھَا مِنْھَا الْجَلَآءُ وَھِیَ حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَ قَدْ عَجِلَتْ لِلطَّالِبِ وَ الْتَبَسَتْ بِقَلْبِ النَّاظِرِ فَارْتَحِلُوْا مِنْھَا بِاَحْسَنِ مَا بِحَضْرَتِکُمْ مِنَ الزَّادِ وَ لَا تَسْئَلُوْا فِیْھَا فَوْقَ الْکَفَافِ وَ لَا تَطْلُبُوْا مِنْھَا اَکْثَرَ مِنَ الْبَلَاغِ

''دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کے لیے فنا طے شدہ امر ہے اور اس میں بسنے والوں کے لئے یہاں سے بہر صورت نکلنا ہے۔ یہ دنیا شیریں و شاداب ہے۔ اپنے چاہنے والے کی طرف تیزی سے بڑھتی ہے اور دیکھنے والے کے دل میں سما جاتی ہے۔ جو تمہارے پاس بہتر سے بہتر توشہ ہو سکے اسے لے کر دنیا سے چل دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ نہ چاہو اور جس سے زندگی بسر ہو سکے اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرو''۔

معلوم ہوا انسان کو اپنی ضروریات سے زیادہ دنیا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ انسان دنیوی ضرورتیں جتنی بڑھتا جاتا ہے وہ بڑھتی جاتی ہیں۔ اگر کسی کو اپنی ضرورت سے زیادہ مل جائے تو اس کو اللہ کا فضل مانتے ہوئے انسانیت کی فلاح کے لیے بھی خرچ کرے۔

صفیر انقلاب کے مصنف دنیا سے بے رغبتی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یاد رکھو عمل کی فرصت اس دنیا میں ہی ہے۔ انسان اپنے ارادے اور عمل میں آزاد ہے، لیکن اس کی آزادی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دنیا اندھیر نگری اور چوپٹ راج سمجھ لی جائے اور یہ باور کرلیا جائے کہ اعمال پر باز پرس نہیں ہوگی۔ یہ تو وقت وقت کی بات ہوتی ہے کہ راتوں کے بعد دن آتے ہیں اور خوشیوں کے بعد غم۔ انسان کبھی جوان ہوتا ہے اور کبھی بوڑھا۔ یہ انقلاباتِ زمانہ اور یہ حوادث بذاتِ خود اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دنیا لعو ولعب ہے، کھیل تماشہ ہے، سراب ہے اور بے حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو دنیا ہی کو معراجِ زندگی تصور کر لیتے ہیں اور پنجے جھاڑ کے اسی کے پیچھے ہو لیتے ہے، وہ پادر ہوا چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ انسانوں کی یہ محبوب دنیا اس کے سوا ہے بھی کیا، غور سے دیکھو اور پھر سوچو اور سوچ کر فیصلہ کرو''۔

آپ تربیتی انداز اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے پاس دعا کے لیے آنے والوں میں زیادہ تر لوگ دنیاوی غرض وغایت والے ہوتے ہیں مثلاً دعا کردیں میری فیکٹری لگ جائے، مجھے اللہ بیٹا نصیب کردے، میرا کاروبار نہیں چل رہا، میرے گھر میں یہ مسئلہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ فرماتے ہیں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو کہتے ہیں شاہ جی میرے لیے دعا فرمادیں کہ میری قبر اچھی ہو جائے، میری آخرت اچھی ہو جائے، مجھ سے اللہ راضی ہو جائے، مجھ سے حضور ﷺ خوش ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں انسان کو اللہ کی تقسیم پر راضی ہونا چاہیے یاد رکھو! خواہشات کی پیروی نہ کرو، دولت بازی اور دنیا پرستی سے دور رہو۔ مادہ آج تمہارا ہے کل یہ تمہارا دشمن بن جائے گا۔ تمہیں سوچنا ہوگا کہ تم نے اس دنیا سے کوچ کر کے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، تمہیں سوچنا چاہیے تمہارے آباو اجداد کدھر چلے گئے، تمہارے دوست احباب کدھر چلے گئے، تمہارے قبرستانوں میں کون دفن ہے؟ وہ سب تمہاری ہی طرح کے انسان تھے اور بے شک تم نے بھی ان کے ساتھ جا ملنا ہے۔ یاد رکھو! آج چمکتی دولت تم اپنے پاس دیکھ کر خوش ہوتے ہو کل تمہیں اس کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا اپنی خواہشات کو کم کرو جو تمہیں اللہ نے عنایت کیا ہے اس پر قناعت کرو اور اس کی رضا میں راضی رہنا سیکھو۔ یہی فقر ہے اور یاد رکھو فقر حضور ﷺ کا فخر ہے۔

مادیت کے اس دور میں آئے دن نئی نئی قسم کے برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ ہمارے نوجوان تیزی سے اس کا شکار ہو رہے اور زمانے کو موردالزام ٹھہرا کر اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ان کے سامنے اپنے اکابرین کے ایسے روشن اور تابندہ نقوش موجود ہیں جنہوں نے اس سے بھی زیادہ برے حالات میں اپنے اخلاق و کردار کی حفاظت کی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جنہوں نے اپنے اسلاف کے اخلاق و کردار، ان کی پامردی، استقامت اور مشکل سے مشکل حالات اور آزمائش میں بھی باکام و بامراد ہونے کے واقعات کو قلم بند کیا ہے تاکہ انسانیت ہدایت پا سکے۔

شباب کا دورانیہ عمر کا بہترین حصہ ہوتا ہے جس میں انسانی اعضاء بھرپور کام کرتے ہیں، حواس خوب ساتھ دیتے ہیں اور عقل و شعور مکمل طور پر اعمال انسانی کی نگرانی کرتا ہے۔ اسلام جوانی کی عمر کو اللہ کی خاص عنایت قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید نے جوانوں کو رشد و ہدایت کے اپنانے اور باطل سے ٹکرانے پر سراہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِہِمْ اَنْ یَّفْتِنَہُمْ ۚ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ (انعام 83)

''پس موسیٰ پر ایمان لائے بجز اُن کی قوم سے ایک نسل کے فرعون اور اس کے محفل نشینوں کے ڈر سے کہ وہ انہیں امتحان میں نہ ڈال دیں اور بے شک فرعون زمین میں غلبہ چاہتا تھا اور یقیناً وہ زیادتی کرنے والوں میں سے تھا''۔

قرآن مجید نے بیان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبردست دلیلوں اور معجزوں کے باوجود بہت کم لوگ تھے جو ایمان لائے اس کا سبب فرعون کا رعب اور دبدبہ تھا، لوگوں کے دل میں فرعون کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ بزدلی ایمان کے سامنے درمیان دیوار بن گئی۔ حق ظاہر ہو گیا تھا لیکن کسی میں فرعون کی مخالفت کی جرأت نہ تھی، ہر ایک کا خوف تھا اگر آج میں ایمان لے آیا تو کل اس کی سخت سزاؤں سے مجبور ہو کر دین حق چھوڑنا پڑے گا مگر یہ جوان ہر طرح کے مصائب اور خطرات سے

بے نیاز ہو کر ربِ موسیٰ پر ایمان لے آئے۔

اسی طرح اصحاب کہف کا ذکر بھی قرآن مجید نے بیان کیا:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ‌ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى

(کہف 13)

''ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر حقیقت کے عین مطابق، بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں اعلیٰ درجے عطا کیے''۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''روزِ محشر آدمی کے قدم اس کی جگہ سے حرکت نہیں کر سکیں گے جب تک کہ وہ پانچ سوالات کے جوابات نہ دے دے۔ عمر کہاں گزاری، جوانی کو کن کاموں میں صرف کیا، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا، یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دیے بغیر انسان خلاصی نہیں ہوگی''۔

ایک دوسرے مقام پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت سمجھو: جوانی کو بڑھاپے سے، تندرستی کو بیماری سے، تونگری کو فقیری سے، فراغت کو مصروفیت اور زندگی کو موت سے پہلے''۔

حضور ﷺ نے جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت فرمایا ہے اس لیے کہ جوانی کے بعد کمر جھکا دینے والا بڑھاپا ہے جس میں قویٰ اور اعضاء و جوارح ساتھ نہیں دیتے درد، دکھ اور غم ہی ہیں۔ بیماریاں آ گھیرتی ہیں، ماسوائے حسرت و تمنا کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، لہذا ضروری ہے جوانی کے موقع کو غنیمت جانیں اور جوانی کے آئینے میں بڑھاپے کو اور طاقت کے وقت جھکی ہوئی کمر کو دیکھیں۔ دنیا اگر کمائی جا سکتی ہے تو اس جوانی میں اور اگر روحانی طور پر کسی کمال کو حاصل کیا جا سکتا ہے تو وہ بھی جوانی میں۔ جوانی میں جو کل پر کام ڈالتے رہتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

هَلْ يَنْتَظِرُ اَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ اِلَّا حَوَانِيَ الْهَرَمِ

''کیا یہ بھرپور جوانی والے، کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے منتظر ہیں؟''

لہٰذا معلوم ہوا کہ عنفوان شباب کا دور انسان کی زندگی میں بہت اہم دور ہوتا ہے عمومی طور اگر اس دور کی اہمیت کو جان لیا جائے تو جو کارہائے نمایاں اس دور میں انجام دیے جا سکتے ہیں وہ بڑھاپے میں ممکن نہیں۔ اہل علم فرماتے ہیں نفس انسان جوانی کے عالم میں انسان کو گمراہی کے لیے اکساتا ہے اور شیطان اور دنیا اس کے معاون ہوتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: ازدواجی زندگی میں میاں بیوی

میاں بیوی کی لڑائی میں سب سے زیادہ خوش کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہ اپنے لشکر روانہ کرتا ہے اس کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ ڈالتا ہے ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے، وہ کہتا ہے۔ تم نے کچھ نہیں کیا، پھر ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے: میں نے اس شخص کو (جس کے ساتھ میں تھا) اس وقت تک نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرادی۔ وہ اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے تم سب سے بہتر ہو''۔

(صحیح مسلم: 7106)

کسی کی بات پر یقین نہ کریں

میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی تیسرے شخص کی بات پر یقین نہ کریں۔ درج بالا حدیث سکھاتی ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے والا شیطان ہوتا ہے۔ اور ایسے شیطان صفت انسان کا اسلامی معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا

''جو شخص کسی عورت کو اُس کے شوہر سے برگشتہ کرے وہ ہم میں سے نہیں''۔

(سنن ابوداود: 2175)

ایک مسلمان جب بھی رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا شروع کر دیتا ہے اس کی زندگی میں سکون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسوۂ حسنہ کا نور عطا فرمائے۔ آمین

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا:

''الحق مع ذا'' حق انہی کے ساتھ ہے۔ علی جدھر گھومتا ہے حق ادھر ہی گھوم جاتا ہے۔ یہ حق ہے کہ حق کی جلوہ گری ایک اسم کی صورت میں ہوئی اور قرآن مجید کی پہلی اترنے والی آیت میں بھی یہی کہا گیا کہ اپنے رب کے عظیم اسم سے پڑھ۔ صرف پڑھنا فائدہ دیتا ہی ہے لیکن اس سے چمک اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ کا اسم دلوں میں ہنگامِ عشق وارد کر دیتا ہے۔ یاد رکھو بیعت کرو اور حق کے ساتھ زندگی گزار دو''۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: طارق صدیق کھوکھر، لاہور

اگلا صفحہ بعد میں پڑھنا

حافظ شیخ محمد قاسم

پشاور میں یارسول اللہ کانفرنس ہوئی۔ شاہ جی نے تیس منٹ تقریباً خطاب فرمایا۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ شاہ جی جہاں شعلہ نوا خطیب ہیں وہاں شبنم کی طرح دھیرے دھیرے برسنا بھی ان کو آتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر ''لفظوں کے'' محتاط استعمال میں مفاہیم اور گہرے افکار کی ادائیگی کا مزا پہلی بار محسوس ہوا البتہ یہ سمجھ نہ آئی کہ دلوں میں رقت پیدا کرنے کے لیے شاہ جی کے پاس کیا نسخہ ہے۔ عام سی باتیں عام سے انداز میں بھی شاہ جی ادا کریں تو بھی سامعین مزے لے لے کر آپ کی باتیں سنتے ہیں۔ محترم عبد الوحید ربانی کی ''معتاد خطابت'' اور لفظوں کی آتش بازی کے بعد شاہ جی کا خطاب بظاہر مشکل سا لگ رہا تھا کہ ماحول شعور اور شعار تک جا پہنچے۔ شاہ جی کی خطابت پر شام کے معروف عالم اور جلیل القدر مفتی سید محمد عبد الہادی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ پاکستان کے دورے میں ایک موقع پر جب ان سے آخر میں تقریر کرنے کے لیے کہا گیا تو مفتی عبد الہادی نے شاہ جی سے پہلے تقریر پر اصرار کیا اور دوران خطابت فرمایا: ''مجھے اردو سمجھ تو نہیں آتی لیکن سامعین کے چہروں اور شاہ جی کی اداؤں سے لگتا ہے کہ سید صاحب لوگوں کو زمین سے اٹھا کر آسمان نشین کر دیتے ہیں اور پھر خود آسمانوں کی ساتویں سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطاب فرماتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے ان کے سننے والے اپنے آپ کو عرش پر محسوس کرنے لگ جاتے ہیں، شاہ جی سے متاثر ہو کر مفتی اعظم شام نے ہمارے شاہ جی سے حدیث شریف کی اعزازی سند حاصل کی۔ ان لطیف لمحوں کی ملکوتی یادوں کو الفاظ میں ادا کرنا از بس دشوار ہے جب مفتی اعظم شام بخاری شریف کی پہلی حدیث قبلہ شاہ جی کو سنا رہے تھے۔

یہ بات تقریباً 12 سال پہلے کی ہے کہ ہم پشاور کی سنی کانفرنس سے فارغ ہوئے تو شاہ جی نے ایک مقامی کتب خانہ سے کچھ کتابیں لینی تھیں، لیں اور مجھے حکم دیا کہ کوہاٹ کی طرف گاڑی بڑھاؤ۔ عرض کی شاہ جی ہمیں تو اسلام آباد پہنچنا ہے۔ آپ فرمانے لگے میں کہہ جو رہا ہوں کہ کوہاٹ کی طرف گاڑی موڑو۔ گاڑی کا رخ درہ کے راستے سے کوہاٹ کی طرف پھیر دیا، لیکن تذبذب، پریشانی اور اضطراب کے عالم میں عرض کی؛ راستہ خطرناک ہے اور رات پڑ گئی ہے اور ہمارا کوہاٹ میں کام بھی کوئی نہیں۔ اب شاہ جی نے مجھے قدرے غصے سے دیکھا اور فرمایا:

''لا تحزن ان اللہ معنا''

''گھبراؤ مت اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

اور گاڑی تیز چلانے کا حکم دیا۔ پندرہ بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد سڑک کی دونوں جانب سے ہوائی فائرنگ کا ایک سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ٹریفک کم تھی اور اکا دکا اگر کوئی گاڑی نظر بھی آتی تو کم از کم میں سہم جاتا تھا کہ اب کوئی پستول تانے ہماری گاڑی روک لے گا ذہن کے پس منظر میں ڈراونی تصویریں اجاگر ہو رہی تھیں اور میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد شاہ جی کے چہرے کی زیارت کر لیتا تھا اور شاہ جی خود انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ درود شریف کی منزل پڑھ رہے تھے۔ ہر دو چار میل کے بعد البتہ یہ ضرور پوچھ لیتے قاسم کوئی پرابلم تو نہیں۔ کچھ وقت گزرا تو میں نے نعت شریف سننے کے لیے ٹیپ آن کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا اگر نعت شریف خود پڑھ سکتے ہو تو پڑھو۔

ذوق نعت نے گاڑی کے ماحول میں مدنی نسبت کی رحمتیں اور انوار پھیلا دیے اور شاہ جی نے اپنا چہرہ میری طرف پھیر دیا۔ کوہاٹ سے کچھ پہلے عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے شاہ جی نے گاڑی رکوائی اور خود مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور میں گاڑی کے اندر ہی بیٹھ کر چوکی کرنے لگا کہ کوئی شرارتی مزاج شخص گاڑی کے ٹائر سے ہوا نہ نکال دے۔ ایک نئی آزمائش نے گھیرا کہ چند پٹھان بچے پشتو میں کچھ کہتے ہوئے گاڑی کے بونٹ پر زور زور سے مکے مارنے لگ گئے۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ گاڑی کا دروازہ کھولوں یا نہ کھولوں، شاہ جی واپس تشریف لائے اور بچوں کو پیار کے انداز میں کچھ کہا اور گاڑی میں تشریف فرما ہو گئے اور پھر مجھے فرمانے لگے ''ان بچوں کو ذرا میری طرف بلاؤ۔'' وہ قریب آئے تو شاہ جی نے چھ یا سات بچوں کو کھانے کے لیے کیلے عطا فرمائے اور پھر دس دس روپے فی بچہ تقسیم کیے اور کہا میں نے دور تک سفر کرنا ہے میری تھکاوٹ اتارنے کے لیے چند نعرے میرے ساتھ مل کر لگائیں۔ اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد، نعرہ تکبیر اللہ اکبر، نعرہ رسالت یارسول اللہ۔ نعروں کی برسات میں مجھے بھی نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ شاہ جی عشاء کی دبیز تاریکی میں جب اس پٹھان بستی سے رخصت ہوئے اور بچے اسلام زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے اور شاہ جی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آپ خود بھی بار بار فرما رہے تھے:

اسلام زندہ باد اسلام زندہ باد
نعرۂ تکبیر اللہ اکبر
اور نعرۂ رسالت یارسول اللہ

پر سکوت ماحول میں پرنم آنکھوں نے جو نظارہ وہاں دیکھا تھا بھولتا نہیں، سوچنے لگا کہ شاید شاہ جی نے سفر اسی لیے کیا کہ چند معصوم بچوں کے دل کی تختیوں پر یارسول اللہ اور اسلام زندہ باد کندہ کر دیں ایسے نقوش جو کبھی نہ مٹیں اور ایسے جلوے جو کبھی گم نہ ہوں۔

رات گیارہ بجے کوہاٹ سے جنڈ کے راستے اسلام آباد روانہ ہوئے۔ پنجاب داخل ہونے کے بعد راز کھلنے لگا اور سفر کی حکمت سمجھ آئی۔ شاہ جی نے کہا یہاں سڑک کی بائیں جانب قاسم ذرا دیکھنا ایک ٹرک ہوٹل ہوگا نام اس کا ہے ''لالے دا ٹھارا'' درختوں کی شاخوں

سے بنائے ہوئے اس ٹھارے میں ہم بیٹھے اور چائے پی اور شاہ جی نے ہوٹل کے مالک ''کشکول خان'' سے کہا تمہاری ایک امانت میرے پاس رہ گئی تھی آپ نے بریف کیس سے کانچ کا پرانا سا گلاس نکالا اور خان کو تھما دیا اور فرمایا دو سال پہلے میں نے اس سڑک پر سفر کیا تھا اور تمہارا گلاس میری گاڑی میں رہ گیا تھا، مجھے سنبھالنے اور محفوظ رکھنے میں بڑی دقت ہوئی، تاخیر سے میں اسلیے آیا کہ چورا شریف کے ایک نیاز مند کو بھیجتا رہا لیکن تم اسے ملے نہیں۔ الحمدللہ آج یہ امانت ادا ہوگئی۔

کشکول خان نے شاہ جی کا پتہ لیا اور آپ کو الوداع کردیا اب راستہ پرامن تھا اور شاہ جی بھی تھکان محسوس فرما رہے تھے۔ آپ کی آنکھ لگ گئی اور فتح جنگ پہنچ کر آپ نے دوبارہ چائے پینا چاہی، فیصلہ ہوا کہ شاہ جی کے ایک پرانے سنگی نیاز کو اٹھایا جائے۔ معلوم ہوا نیاز بھائی کینیڈا جاچکے ہیں، گاڑی گلی سے نکالی اور سڑک پر چڑھا دی اور ساتھ ہی پوچھا گلاس دینے کے لیے تو دن کا انتخاب بھی کیا جاسکتا تھا اور کوئی اور شخص بھی یہ کام کرسکتا تھا۔ آپ فرمانے لگے کتاب کا اگلا صفحہ بعد میں پڑھنا اس وقت صرف اتنی بات سن لو!

عبداللہ بن مبارک مرو میں رہتے تھے ایک مرتبہ آپ مرو سے شام گئے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب راستے اچھے نہ تھے، ڈکیتیاں اور چوریاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ ابن مبارک تاجر بھی تھے اور عالم بھی تھے، یہ مرد خدا مست ایک مرتبہ کئی سو میل کا سفر کرکے شام گئے اور وہاں سے لوٹے تو مرو خراسان پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس کسی کا قلم رہ گیا ہے، فوراً یاد آیا کہ یہ قلم تو شام میں انہوں نے کسی شخص سے تھوڑی دیر کے لیے مستعار لیا تھا، معمولی قلم تھا لیکن اللہ سے ڈرنے والے مرد خدا کے لیے امانت لوٹانے کا مسئلہ تھا۔ آپ نے فوراً سامان سفر درست کیا اور دوبارہ شام کے لیے سفر پر نکل پڑے۔ مہینوں بعد آپ دوبارہ شام پہنچے، قلم کے مالک کو تلاش کیا جب وہ شخص مل گیا تو دو دمڑی کا وہ قلم اسے واپس کردیا اور معذرت کی کہ غلطی سے آپ کا قلم میرے ساتھ خراسان چلا گیا تھا۔

دو مہینے بعد کتاب کا اگلا صفحہ شاہ جی نے مجھے پڑھا دیا کہ کشکول خان راولپنڈی آئے اور چپکے سے رات کی تنہائیوں میں شاہ جی کے ساتھ بیٹھنے والے سنگیوں میں شامل ہوگئے اور کچھ عرصہ بعد وہ ہوٹل بند کرکے دریائے سوات کے کنارے اپنے گاؤں میں اللہ اللہ کرتے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مجھے لگا جیسے ''لالے کا ٹھارا'' اور ''کانچ کا گلاس'' بہانا تھا اصل میں کہانی تو سلاف‌ۂ معرفت کی تھی جسے بہر حال ایک نسبت سے ساقیِ کوثر تک پہنچنا تھا۔

بقیہ: کمال علم و معرفت

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوگیا اور اس نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میرا ٹھکانہ کہاں ہے تو فرمایا تم جہنم میں داخل ہوگے۔

چنانچہ جناب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے حضور پرُ نور ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد کون ہیں؟ تو حضور پرُ نور ﷺ نے فرمایا: آپ کے والد حذافہ ہیں۔

بعد ازاں حضور پرُ نور ﷺ نے اکثر اور بہت زیادہ دفعہ یہ ارشاد فرمایا:

''کہ تم مجھ سے دریافت کرو تم مجھ سے پوچھو۔

چنانچہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں پر برک کھڑے ہوگئے''۔

تو حضور پرُ نور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے پروردگار ہونے پر راضی ہیں اور اسلام کے دین متین ہونے پر خوش ہیں اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر خوش ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس طرح عرض کیا تو حضور پرُ نور ﷺ خاموش ہوگئے۔ بعد ازاں حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ابھی ابھی جنت اور دوزخ اس دیوار کے نزدیک میرے پاس پیش کی گئی ہے اور میں نماز پڑھنے میں مصروف تھا اور آج کی طرح میں نے خیر اور شر ملاحظہ نہیں کیا''۔

چنانچہ حضور پرُ نور ﷺ کی گرامی قدر ذات اقدس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس امر کا اذن و اجازت دے دی کہ وہ وہ ہر اس چیز کے بارے دریافت کرسکتے ہیں جو کہ ان کے لئے ظاہر ہوا اور جب تک حضور پرُ نور ﷺ اس مقام پر تشریف فرما ہوں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

زندگی امتحان ہے اور موت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہے۔ ایک اچھا انسان سمجھتا ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں کو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ وہ لوگ جو خوشی اور غم، مشکلات اور آسانیاں سب کچھ اللہ کے سپرد کردیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اصحاب ایمان ہوتے ہیں اور وہ ارباب محبت ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔ ایمان والوں پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی رہتی ہے۔ مشکل وقت میں اور خوشی کے لطیف لمحات میں شخصیت کو بلند رکھنا کرامت ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ اس عزت کو سنبھال کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ دلوں کا پرُسکون رہنا، آنکھوں کا ٹھنڈا رہنا، اردگرد کی فضا کا خوشبوؤں میں ڈوبا رہنا، عبادتوں میں رحمتوں اور انوار کی بارشیں برستے رہنا یہ اللہ ہی کی طرف سے کرم کی سوغاتیں ہیں جو خاص خاص لوگوں کو وہ عطا فرماتا ہے۔

منجانب: سید فضل حسین شاہ، راولپنڈی